اٹلانٹس
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز
آسمانی آوازیں
تیاق احمد

ایک بات

لیجیے جناب آسمانی آوازیں بھی حاضر ہے ... ناول نمبر آٹھ سو چار ..
عظیم ترین مصنف کی رحلت کے بعد شائع ہونے والا ان کا چوتھا ناول۔
بیس ناول ابھی اور آئیں گے انشاء اللہ ...

یہ ناول بارہویں کراچی بین الاقوامی کتاب میلے کے دوران آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا ... اس سال کتاب میلے میں عظیم ترین مصنف کے گیارہ پرانے ناول ، دو شاہکار خاص نمبر ، پیکٹ کا راز کے اولین ایڈیشن کا عکسی ری پرنٹ ، اور دو نئے ناول پیش کیے جا رہے ہیں یعنی کل ملا کر سولہ عدد ناول ...

واردات کا اسرار کا انگریزی ترجمہ ایک بار پھر التوا میں پڑ گیا ... اب یہ انگریزی ترجمہ آئندہ برس دسمبر کتاب میلے میں شائع کیا جائے گا ... ترجمہ بڑی توجہ اور ذمے داری کا متقاضی ہے اور اس برس ذہن اس قابل ہی نہ تھا کہ توجہ کی ذمے داری اٹھا سکتا ... اس سال ۲۰۱۶ میں صرف چار نئے ناول بمشکل پیش کر سکا کہ آنکھوں کی دھندلاہٹ ساتھ نہ دیتی تھی ۔ یہ بھی کہتا چلوں کی آنے والا وقت اشتیاق احمد کا ہے ...عظیم ترین مصنف کے ناول نت نئے برقی روپ میں آپ کے سامنے آئیں گے ... مارک ٹوئین اور ابن صفی کو ان کی زندگی میں جو رتبہ ملا سو ملا لیکن مرنے کے بعد ان کی اصل قدر سمجھ میں آئی ... یہی کچھ اشتیاق احمد صاحب کے ساتھ بھی ہو گا ... اشتیاق صاحب کے انتقال کے بعد کچھ عجیب اچھل کود بھی شروع ہو گئی ہے ... وہ ماہانہ رسالے جن میں کبھی اشتیاق احمد

صاحب کی انسپکٹر جمشید سیریز کا کوئی ناول قسط وار شائع ہوا ، وہ اب ان ناولوں کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے لیے پر تول چکے ہیں حالانکہ انہیں اس کی قانونی اور اخلاقی اجازت نہیں۔ عظیم مصنف ان سب نیکو کاروں اور پرہیزگاروں پر یہ واضح کر چکے تھے کہ جو معاوضہ لیا گیا ہے اس کے بدلے ان نیکو کار ساتھیوں کو یہ ناول صرف رسالوں میں قسط وار چھاپنے کی اجازت دی گئی تھی نہ کہ کتابی صورت میں شائع کرنے کی ... یہ پرہیزگار دوست اس سچ سے بخوبی آگاہ ہیں ... اور اس سلسلے میں ان کو دوبارہ بھی یاد دہانی کروا دی گئی ہے ... لیکن ایفائے عہد ایک ایسی لعنت ہے جس سے ہمیشہ معاشی نقصان کا اندیشہ ہی لاحق رہتا ہے لہٰذا اس سے دوری ہی ان کو بھلی لگتی ہے ... پھر بھی ریکارڈ کی درستگی کی نیت سے کہے دیتے ہیں کہ بھائی جس دوزخ سے دوسروں کو بچانے کا بیڑہ اٹھائے ہو ، تو ذرا دیکھنا کہیں پاؤں رپٹ جائے اور خود اسی آگ میں نہ گر جاؤ ... اب اور کیا کہیں جب لوگ اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت کی تصویر بن جائیں۔ اشتیاق صاحب کے اٹھتے ہی یہاں تو آنکھیں وہ وہ تماشے دیکھ رہی ہیں کہ عقل دنگ ہے۔ لیکن یہ سب قصہ پارینہ ہو جائیں گے اور کام وہی کریں گے جو مخلص ہیں اور جو اچھے برے دنوں کے ساتھی ہیں۔ گذارش بس اتنی سی ہے کہ جب بھی عظیم ترین مصنف کی انسپکٹر جمشید سیریز کا کوئی ناول کسی اور ادارے کا چھپا ہوا دیکھیں تو بس اتنا ضرور دریافت کر لیں کہ اللہ کے گھر عہد شکنی کی سزا کیا ہے ... ایک پانامے کو رونے سے کام نہیں بنے گا ، ہر ایک کا اپنا ذاتی پانامہ ہے ، اب کوئی کرے تو کیا کرے۔

فاروق احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ ،

یہ آسمانی آوازیں ہیں۔

کہنے کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ بھلا آسمانی آوازیں کیا ہوتی ہیں ... کیسی بے تکی بات ہے ... لیکن آپ فاروق سے پوچھ کر دیکھ لیں ... وہ فوراً کہہ دے گا یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے اور آپ کے محبوب کردار تو یہ بات کہتے ہی رہتے ہیں کہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا تو مطلب یہ کہ ناول کا نام آسمانی آوازیں کیوں نہیں ہو سکتا ...

ایک باریک سی اور ہلکی سی لیکن سنسنی خیز آواز سے شروع ہونے والا یہ ناول آپ کو کہاں سے کہاں تک لے جائے گا ... شاید آپ سوچ بھی نہیں سکتے اور اگر سوچ سکتے ہیں تو یہ پھر بہت ہی اچھی بات ہے۔

اچھی باتوں کا اور ان ناولوں کا یوں بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔

چولی دامن کا ساتھ ہو نہ ہو، اچھی باتیں تو اچھی باتیں ہی ہوتیں ہیں ، یہ ایسی باتیں ہیں جو اٹھائی جائیں نہ دھری جائیں۔

باریک سی اور ہلکی سی آواز قیامت سے کچھ ہی دیر پہلے بھی شروع

ہونے والی ہے ... وہ آواز شروع میں بہت ہلکی سی ہو گی لیکن رفتہ رفتہ تیز ہوتی جائے گی اور ہولناک ہو جائے گی کہ اسی وقت دنیا میں موجود انسانوں کے کانوں کے پردے پھاڑ دے گی لیکن ایسا ہونے سے پہلے وہ آواز لوگوں میں حد درجے بے چینی پید کرے گی ... ایسی بے چینی جو سمجھ سے باہر ہوگی اور آخر کار تمام ذی روح ہلاک ہوجائیں گے۔

یہ آواز دراصل ثور کی آواز ہوگی ... حضرت عزرائیل ثور پھونکیں گے تب یہ آواز شروع ہوگی ... تمام انسان چرند پرند اور ہر چیز موت کی گود میں جا سوئے گی ...

کتنی مدت لوگ مردہ پڑے رہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

پھر حضرت اسرافیل کو حکم ہوگا کہ دوبارہ ثور پھونکو ... تب وہی آواز پھر شروع ہو گی اور مردہ انسان زندہ ہونے شروع ہوں گے ، قبریں شق ہو جائیں گی اور ان سے انسان نکلنا شروع ہوں گے ، سب اپنی اپنی قبر سے اٹھیں گے۔ اس کے بعد حساب کتاب شروع ہوگا اور یہ دن ہوگا قیامت کا دن۔

آپ اس دن کی تیاری ابھی سے شروع کریں تو بات بنے گی۔

لیجیے ... آج کی دو باتیں تو قیامت کی دو باتیں ہوگئیں۔

پہلا وار

پروفیسر داؤد کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

انتہائی ہلکی اور باریک سی ایک آواز ان کے آلات نے عین اس وقت ریکارڈ کی تھی۔ اس قسم کی آواز انھوں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

آواز کو بڑا کر کے سنا تو ان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

آواز بہت عجیب تھی ، ہولناک تھی اور کانوں میں خراش پیدا کرنے والی تھی، اگر وہ اسے اور زیادہ بڑا کر کے سنتے تو شاید کانوں میں خراش آ ہی جاتی۔ انہوں نے فوری طور پر ایک بٹن دبایا۔

جلد ہی ان کی تجربہ گاہ کا اندرونی دروازہ کھلا اور ان کے اسسٹنٹ باقر نعمانی کی صورت دکھائی دی۔

'' آؤ باقر ، میں تمھیں ایک آواز سنانا چاہتا ہوں۔''

'' خیریت پروفیسر صاحب ؟'' باقر نعمانی نے حیران ہو کر کہا۔

'' پتا نہیں۔'' پروفیسر داؤد کے منہ سے نکلا۔

'' آپ کا مطلب، معلوم نہیں خیریت ہے یا نہیں۔''

''ہاں یہی بات ہے ... میں نہیں جانتا خیریت ہے یا نہیں لیکن لگتا

ہے کہ نہیں ہے ، بہرحال پہلے تم اس آواز کو سنو۔''

اب انھوں نے آلات کے ذریعے پہلے بالکل ہلکی اور باریک والی آواز اسے سنائی۔

'' آواز سنی۔''

'' جی ہاں۔'' مارے حیرت کے اس نے جواب دیا۔

'' کیا خیال ہے۔''

'' لگتا ہے فضا سے کوئی چیز گزری ہے ، آلات نے اس کی آواز کو ریکارڈ کیا ہے۔''

'' میں نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے ... سوال یہ ہے کہ آواز کس چیز کی ہے ، آلات اگر اسے ریکارڈ نہ کرتے تو ہم تو اس کے بارے میں جان بھی نہ پاتے۔''

'' آپ ٹھیک کہتے ہیں ... اب کیا کرنے کا ارادہ ہے۔''

'' صرف آواز سے ہم کوئی نتیجہ شاید نہ نکال سکیں۔'' پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

'' اور فی الحال ہمارے پاس آواز ہی ہے۔'' باقر مسکرایا۔

'' تم یہ سنو ... میں آواز کو بڑا کرتا ہوں۔''

پھر پروفیسر داؤد نے آواز کو کئی گنا بڑا کر کے باقر نعمانی کو سنوایا۔

اس کے چہرے پر فوراً خوف پھیل گیا ...

'' اب کیا کہتے ہو؟''

'' مم ... میں کوئی نتیجہ نہیں نکال سکا۔''

'' یوں بات نہیں بنے گی ... پروفیسر شہابی کو ملاتے ہیں، ان سے مشورہ ہو جائے گا۔''

'' لیکن ... سر وہ شاید کل شام سے پہلے نہ پہنچ سکیں۔''

'' اگر اسی وقت کوئی جہاز انھیں مل جاتا ہے تو آج رات کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔''

'' کریں پھر فون۔''

انھوں نے پروفیسر شہابی کے نمبر ملائے۔

پروفیسر غوری کی وفات کے بعد ان کی جگہ انھوں نے لی تھی۔

یہ پروفیسر داؤد کے بہت اچھے دوست تھے ... سلسلہ ملتے ہی انھوں نے کہا: '' السلام علیکم شہابی صاحب۔''

'' آہا... آپ ہیں ... سنائیے کیا حال ہے۔''

'' حال آپ یہاں آ کر نہیں پوچھ سکتے۔''

'' کیا مطلب ... آپ چاہتے ہیں میں اس طرف آ جاؤں۔''

'' جی ہاں آپ کو ایک آواز سنوانا چاہتا ہوں۔''

'' وہ تو آپ آلات کے ذریعے بھی سنوا سکتے ہیں۔'' پروفیسر شہابی نے حیران ہو کر کہا۔

'' سنوا سکتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں آپ ادھر ہی آ جائیں ، لگتا ہے کسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہونے والے ہیں۔''

"آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں ... اس سے تو یہی بہتر ہے
کہ میں ادھر ہی آجاتا ہوں۔"

"تو میں کس وقت تک آپکے پہنچنے کی امید رکھوں؟" پروفیسر داؤد
نے پوچھا۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہے ایک پرواز یہاں سے رات کے ایک
بجے چلتی ہے لہٰذا میں رات والی سے آنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"بہت خوب اگر ائرلائن والے یہ کہیں کہ اس پر آپ کو سیٹ نہیں
مل سکتی تو فون کر دیجیے گا ... میں انتظام کروا دوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر انھوں نے فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پروفیسر شہابی کو فون کیا ... وہ کہہ رہے تھے۔

"رات کی پرواز سے آرہا ہوں، آپ آئی جی صاحب کو فون کر
دیں، ان کا عملہ مجھے ائرپورٹ سے آپ تک پہنچا دے گا، بجائے اس
کے کہ آپ خود آئیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

پھر انھوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا۔ صورتِ حال بتائی تو
انھوں نے کہا: "آپ فکر نہ کریں ... پروفیسر صاحب کو آپ تک پہنچا
دیا جائے گا۔"

"بہت بہت شکریہ؟"

چار بجے پروفیسر داؤد کے موبائل کا الارم بج اٹھا ... وہ الارم لگا
کر سوئے تھے کیونکہ پروفیسر شہابی کو سوا چار بجے ان کے ہاں پہنچنا تھا۔
انہوں نے گھڑی دیکھی، ٹھیک چار بج رہے تھے، گویا ان کے آنے
میں پندرہ منٹ تھے ... ایسے میں ان کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔

انہوں نے چونک کر اسکرین کی طرف دیکھا۔

فون آئی جی صاحب کا تھا، ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

دوسری طرف سے آئی جی صاحب کہہ رہے تھے:

"پروفیسر صاحب ... حیرت انگیز۔"

"کیا فرمایا شیخ صاحب ... میں حیرت انگیز مگر کس لحاظ سے۔"

"اوہو ... آپ غلط سمجھے۔"

"اچھا تو آپ درست سمجھا دیں نا۔"

"پروفیسر صاحب اس پر سے نہیں اترے۔"

"اوہ اس کا مطلب ہے وہ اس جہاز سے نہیں آئے، لیکن کیوں
ادھر کے آئی جی صاحب کو تو آپ نے خود ان کے لیے کہہ دیا تھا۔"

"ہاں بالکل کہہ دیا تھا۔"

"تو پھر آئی جی انوار عالم انہیں کیوں سوار نہ کرا سکے۔"

"آپ سنیے بھی تو ... وہ سوار ہوئے تھے۔"

"کیا ..." مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں، لیکن جہاز سے اترے نہیں۔"

"یہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیسے ممکن ہے، انکوائری جاری ہے۔"

"اوہ لیکن ..." پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"لیکن کیا؟"

"آپ یہ تحقیقات انسپکٹر جمشید سے کرائیں، کسی اور سے نہیں۔"

"ایسا کیے لیتے ہیں۔" آئی جی صاحب نے فوراً کہا۔

"بلکہ میں خود فون کرتا ہوں انھیں۔"

' کیا آپ کے خیال میں میں فون نہیں کروں گا یا فون کرنے میں دیر لگاؤں گا۔"

"یہ بات نہیں ... میں انہیں بتاؤں گا کہ معاملہ دراصل کیا ہے۔"

"میری ضرورت پیش آئے تو مجھے فون کر دیں۔"

"شکریہ شیخ صاحب۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

پھر فوراً ہی انسپکٹر جمشید کا نمبر ڈائل کیا ...

دوسری طرف سے فاروق کی آواز سنائی دی:

"انکل یہ میں ہوں انسپکٹر جمشید ... فاروق غسل خانے میں ہے۔"

"حد ہوگئی ... دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"بالکل چل گیا ہے لیکن میرا نہیں فرزانہ کا، اس کا کہنا ہے بلکہ اس کے کانوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے بولنا شروع کر دیا ہے۔"

"کیا کہا ... فرزانہ کے کان باتیں کرنے لگے ہیں۔" مارے حیرت

کے پروفیسر داؤد نے کہا۔

"جی ... شاید نہیں بلکہ یقیناً یہی بات ہے۔"

"کیا بات ہے۔" مارے حیرت کے پروفیسر داؤد نے کہا۔

"یہ کہ دراصل اس کے کان بجنے لگے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں اس کے جسم میں اس کے کان سب سے زیادہ عجیب ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے، میرا مطلب ہے، اس میں تو کوئی شک نہیں۔"

"بس تو پھر اب وہ عجیب نہیں رہے غریب ہو گئے ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو بھائی ... کان غریب ہو گئے ہیں اور وہ بھی فرزانہ کے؟" پروفیسر داؤد نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں انکل، نن نہیں انکل۔"

"میں ڈبل انکل نہیں ہوں۔" پروفیسر گھبرا گئے۔

"آپ سنیے تو ... فرزانہ کا کہنا ہے اس کے کانوں نے ایک بہت زیادہ باریک، بہت زیادہ خوفناک، بہت زیادہ عجیب آواز سنی ہے۔"

"کیا !!!" پروفیسر داؤد چلا ئے۔

"اب آپ کو کیا ہوا ... اس قدر زور سے کیا کہنے کی کیا ضرورت تھی ... کیا آپ کے خیال میں میں بہرہ ہو گیا ہوں۔"

"نن ... نہیں۔" پروفیسر داؤد کے منہ سے نکلا۔

"اللہ کا شکر ہے، آپ نے اس بات سے تو انکار کیا ہے۔"

"کک .... کس بات سے۔"

"یہ کہ میں بہرہ ہو گیا ہوں۔"

"ارے نہیں ... میں نے "نن نہیں" اس بات پر نہیں کہا۔"

"تب پھر؟" فاروق نے مارے حیرت کے کہا۔

"اس بات پر کہ فرزانہ نے کوئی ایسی آواز سنی ہے۔"

"میں آپ کو بتا تو رہا ہوں ... اس کے دراصل کان بجے ہیں۔"

"اوہو فاروق غلط بات نہ کہو ... اس کے کان نہیں بجے۔" پروفیسر نے فوراً کہا۔

"یہ بات آپ اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"میں تو اور بھی بہت سی باتیں اس قدر یقین سے کہہ سکتا ہوں۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

"اس وقت تو آپ بس اسی بات کے بارے میں بتا دیں کہ اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" فاروق نے بھی جل کر کہا۔

"بتا دیتا ہوں مجھے کیا، میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فرزانہ کے کان نہیں بجے ... میں اس بات کی وضاحت ابھی کر دیتا ہوں، پہلے تم یہ بتاؤ کہ فرزانہ نے وہ آواز کب سنی تھی، بالکل درست وقت بتاؤ۔"

"فرزانہ !!"

"ہاں جلدی کہو۔" اس نے بے تاب ہو کر کہا۔

وہ اور محمود، دونوں اس گفتگو کو نہایت غور سے سن رہے تھے۔

"تم نے وہ آواز کس وقت سنی تھی، بالکل ٹھیک وقت جاننا چاہتے ہیں انکل۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اوہ اچھا ... ٹھیک چار بجکر دو منٹ تیس سیکنڈ پر۔"

"نن نہیں۔" مارے حیرت کے پروفیسر داؤد اچھل پڑے۔

"کیوں انکل کیا بات ہے ... آپ اتنے حیران کیوں ہو گئے۔"

"تت ... تم فرزانہ کو لے کر فوراً یہاں آ جاؤ ... یہ حد درجے خوفناک معاملہ ہے۔"

"اوہ ... ہم آ رہے ہیں ... کیا ابا جان کو بھی ساتھ لائیں۔"

"ہاں بالکل ... انہیں ساتھ لانا تو اور بھی زیادہ ضروری ہے۔"

"پھر ہم فوری طور پر روانہ نہیں ہو سکیں گے ... وہ نہا رہے ہیں۔"

"خیر چند منٹ ٹھہر جاؤ، اسے نکلنے دو، پھر ساتھ ہی آنا۔"

"اب جب کہ چند منٹ تک انتظار کرنا پڑ گیا ہے، آپ ہمیں بتا دیں معاملہ کیا ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا ... اس طرح وقت بچے گا اور وقت کا بچنا اس معاملے میں انتہائی اہم ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے پوری تفصیل سنا دی۔

مارے حیرت کے ان کی سٹی گم ہو گئی ... یہ سب حد درجے حیرت انگیز نہیں تو اور کیا تھا۔ اس پر تو جتنا بھی حیران ہوا جاتا کم تھا۔

عین اسی وقت انہوں نے اپنے والد کو غسل خانے سے نکلتے دیکھا۔

تینوں نے ایک ساتھ کہا: "ابا جان نکل آئے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"کیا ہوا... خیر تو ہے۔"

"پروفیسر شہابی لاپتا ہو گئے۔"

"نن ... نہیں ... نہیں۔"

مارے حیرت کے انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆

گڑبڑ

انہوں نے حیران ہو کر اپنے والد کی طرف دیکھا۔

اس قدر خوفزدہ ہونے کی ان کی عادت نہیں تھی لیکن اس وقت ان کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا...

"خیر تو ہے ابا جان! آپ اور اس قدر خوف زدہ۔"

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا:

"جی پروفیسر صاحب۔" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولے۔

"پروفیسر شہابی ادھر آنے والے تھے ... جہاز پر سوار ہوئے لیکن یہاں پہنچے نہیں ... آئی جی صاحب کی اطلاع ہے کہ وہ جہاز سے اترے ہی نہیں ... جب کہ مشرقی حصے کے آئی جی انوار عالم کے ذریعے انہیں پر جہاز پر سوار کروا دیا گیا۔"

"خاص طیارہ دیا تھا۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"نہیں عام مسافر طیارے سے ... یہاں کے ائرپورٹ کے عملے سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ اترے ہیں اور دوسرے مسافروں کے ساتھ باہر گئے ہیں ... جبکہ پروفیسر صاحب کی

آئی جی صاحب کے عملے سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اغوا کیا گیا ہے ... میں ائرپورٹ جاتا ہوں، بچے آپ کی طرف آ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جمشید۔" پروفیسر داؤد نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

صبح کے سوا چار بجے تھے ...

انسپکٹر جمشید ابھی روانہ ہونے کے لیے کار میں بیٹھے ہی تھے کہ عین اس لمحے پروفیسر داؤد کا فون آگیا ... وہ کہہ رہے تھے:

"شہابی مل گئے ہیں لیکن بے ہوش حالت میں، وہ زخمی ہیں۔"

"جی کیا مطلب ... وہ کہاں سے ملے ہیں، بس تم سے بات کر کے فون رکھا ہی تھا کہ تمہارے آئی جی شیخ صاحب کا فون آ گیا تھا۔"

"اور بھی کچھ کہا آئی جی صاحب نے ..."

"بس اتنا ہی کہ ائرپورٹ والی سڑک پر بے ہوش ملے ہیں، پیشانی پر زخم آیا ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے وہ آدھ گھنٹے تک ہوش میں آجائیں گے۔"

"تو میں پہلے وہیں چلا جاتا ہوں۔"

"نہیں جمشید ... اب تم پہلے ادھر آ جاؤ۔"

"میں محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھیج تو رہا ہوں آپ کے پاس۔"

"نہیں جمشید ... انھیں اپنے ساتھ لے کر ادھر آؤ۔"

"آپ کو آج ہو کیا گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید حیرت زدہ رہ گئے۔

"وہی جو تمھیں ہو گیا تھا تھوڑی دیر پہلے، پروفیسر شہابی کی گمشدگی کی بات سن کر تم بھی تو خوف زدہ ہو گئے تھے۔"

"وہ اور بات تھی، میں اور وجہ سے خوف زدہ ہوا تھا اور ہوا کیا تھا اب بھی ہوں اگرچہ پروفیسر مل گئے ہیں۔"

"نہیں اسی لیے میں کہہ رہا ہوں ... تم چاروں ادھر آ جاؤ۔"

"اچھی بات ہے ... اب ہم وہی کریں گے جو آپ کہیں گے۔"

"شکریہ جمشید ... تم بہت اچھے ہو۔"

انسپکٹر جمشید ہنس دیے اور فون بند کر کے تینوں سے بولے:

"آؤ بھئی چلیں ... ہمیں فی الحال تجربہ گاہ ہی جانا ہوگا۔"

انہوں نے کچھ نہ کہا ... ان کے ساتھ باہر نکل آئے ...

جلد ہی وہ کار میں پروفیسر داؤد کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

پھر وہ تجربہ گاہ پہنچ گئے۔ علیک سلیک کے بعد انھوں نے پوچھا۔

"ہسپتال کی کیا خبر ہے۔"

"پروفیسر شہابی بدستور بے ہوش ہیں۔"

"پروفیسر غوری کی موت کے بعد پروفیسر شہابی صاحب نے ان کی جگہ کیسے لی، یہ کوئی سرکاری ملازمت تو ہے نہیں۔"

"ملک کے اس حصے میں پروفیسر شہابی پہلے سے کافی کام ملک اور قوم کے لیے کر چکے ہیں، یہ بات نہیں کہ پروفیسر غوری کی وفات کے بعد ہم نے انھیں ان کی جگہ دی، اب کوئی مشورہ کرنا ہوتا ہے تو میں

ان سے رابطہ کرتا ہوں۔“

”کیا آپ کی ان سے ملاقات ہو چکی ہے یا ابھی تک صرف فون یا ای میل پر ہی رابطہ رہا ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”یہ کیسا سوال ہے جمشید۔“

”مطلب یہ کہ آپ پہلے ہی انھیں پہچانتے ہیں۔“

”ہاں جمشید ...۔“

”پہلے میں انہیں ہسپتال سے یہاں لے آؤں۔“

”تو ہم بھی ساتھ کیوں نہ چلیں۔“

”سب کو جانے کی کیا ضرورت ہے، میں انھیں لے آتا ہوں۔“

”لیکن ابا جان ... اگر وہ بے ہوش ہوئے تو آپ انھیں کیسے لے آئیں گے۔“ فاروق نے پوچھا۔

”ایمبولینس میں۔“ انہوں نے کہا ... پھر بولے۔ ”تم لوگوں کی یہاں زیادہ ضرورت ہے۔“

”ہم پوری طرح چوکس رہیں گے۔“

انسپکٹر جمشید اسی وقت اپنی کار میں روانہ ہو گئے، ادھر محمود نے کہا۔

”پروفیسر انکل، تمام دروازے اندر سے بند کروا لیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

”حیرت ہے، افسوس ہے، کمال ہے۔“ فرزانہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

”یہ تینوں کس سلسلے میں ہیں۔“ فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اتنا کچھ ہو گیا ... لیکن ہم نے ابھی تک انکل خان رحمان کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔“

”واقعی۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”بس تو پھر کرو فون۔“ فرزانہ نے منہ بنایا۔

محمود نے موبائل نکالا اور خان رحمان کا نمبر ڈائل کیا ... دوسری طرف سے ظہور کی آواز سنائی دی۔

”خان رحمان بات کر رہا ہوں ... ظہور آج چھٹی پر ہے۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“

”مم ... معاف کرنا بھائی ... الٹ کہہ گیا۔“

”تو کیا کہنا چاہتے تھے انکل۔“

”ارے ہائیں، یہ تو محمود صاحب ہیں۔“

”وہ تو خیر میں ہوں ... کہنا کیا چاہتے تھے آپ۔“

”یہ کہ ظہور بات کر رہا ہوں ... خان رحمان صاحب آج چھٹی پر ہیں ... لیکن لگتا ہے اب انہیں اپنی چھٹی کینسل کرنی پڑے گی۔“

”یہ انکل خان رحمان نے چھٹی کب سے کرنا شروع کر دی۔“

”کہہ رہے تھے آج تمام دن کوئی کام نہیں کریں گے، صرف آرام کریں گے۔“

”کیا ان پر ان دنوں کام کا بوجھ رہا ہے۔“

‘‘میں نے تو دیکھا نہیں۔’’ ظہور نے جواب دیا۔

‘‘کیا نہیں دیکھا۔’’

‘‘کام کا بوجھ۔’’

‘‘اوہ ہاں اچھا ... کہنے کا مطلب یہ کہ انھیں تو کاروباری کوئی کام نہیں ہوتے ... پھر انھوں نے تمام دن آرام کی کیوں ٹھانی۔’’

‘‘بس کہہ رہے تھے ... نہ جانے کیا بات ہے آج نہ کہیں جانے کو جی چاہ رہا ہے نہ کچھ کرنے کو۔ بس آرام کو ضرور جی چاہ رہا ہے۔’’

‘‘خیر ... آپ ہماری ان سے بات کروائیں۔’’

ایسے میں دور سے آواز سنائی دی۔ ‘‘کون ہے ظہور کے بچے۔’’

‘‘جی ... جی نہیں۔’’ ظہور نے ہکلا کے کہا۔

‘‘کیا جی نہیں۔’’

‘‘وہ محمود صاحب ... خان رحمان صاحب ہیں۔’’

‘‘ہائیں ... یہ میں محمود صاحب کب سے ہو گیا۔’’ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

‘‘یہ لیجیے ... فون پر محمود صاحب ہیں۔’’

‘‘ارے باپ رے ... سوٹ جلنے کی بو۔’’ خان رحمان چلا اٹھے۔

‘‘نن نہیں ... مارے گئے۔’’

ساتھ ہی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔

‘‘نہیں چھوڑوں گا۔’’ انھوں نے موبائل میں کہا۔

‘‘جی انکل ... ہم نے کیا کیا ہے۔’’

‘‘تمھاری بات نہیں کر رہا ... ظہور کو نہیں چھوڑوں گا۔’’

‘‘تو آج پھر سوٹ جلا دیا اس نے۔’’

‘‘وہ بھی بالکل نیا۔’’

‘‘دھت تیرے کی۔’’ محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔ پھر کہا: ‘‘انکل! آپ فوراً تجربہ گاہ آجائیں۔’’

‘‘تت ... تجربہ گاہ۔’’ انھوں نے چونک کر کہا۔

‘‘جی ہاں ... کیا نہیں آ سکتے۔’’

‘‘آنے کو کیا نہیں آ سکتا ...’’

‘‘مگر آج تو آپ کا مکمل طور پر آرام کا پروگرام تھا۔’’ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

‘‘تمھارے لیے نہیں ... دوسروں کے لیے آج میں نے آرام کا پروگرام بنایا تھا۔’’

‘‘اگر آپ کی طبیعت خراب ہے تو ہم ...’’ وہ کہتا کہتا رک گیا۔

‘‘نہیں بات طبیعت کی خرابی کی نہیں ہے بس موڈ کی ہے، موڈ آج آرام کا بن گیا تھا اور بس۔’’

‘‘تب پھر آپ آرام کریں۔’’

‘‘نہیں یہ نہیں ہو گا۔’’ میں آ رہا ہوں۔’’

‘‘اچھی بات ہے ... ہم آپ کا انتظار کریں گے۔’’

"شکریہ ... بس میں گھر سے ... ارے باپ رے یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ... نن ... نہیں ... نہیں۔"

وہ چلا اٹھے ... محمود کو ایک جھٹکا لگا ، ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔

اب محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"انکل خان رحمان کے گھر میں گڑبڑ ہے ، ہمیں وہاں جانا ہو گا۔"

"لل ... لیکن تم تینوں نہ جاؤ ... ایک بلکہ دو میرے پاس ٹھہرو۔"

"فاروق ، فرزانہ تم یہیں ٹھہرو ، میں وہاں جا کر دیکھتا ہوں۔"

محمود بہت تیزی سے تجربہ گاہ سے نکل کر اپنی کار تک پہنچا ...

پھر جونہی اس نے کار سٹارٹ کرنا چاہی ، مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔ "ارے .... یہ کیا !"

☆☆☆☆☆

صفایا

انسپکٹر جمشید سول ہسپتال پہنچے تو آئی جی صاحب کے عملے کے لوگ لپک کر ان کی طرف آئے۔

"کیا خبر ہے ؟" انہوں نے پوچھا۔

"ابھی تک بے ہوش ہیں۔"

"ان کی جیبوں کی تلاشی لی آپ لوگوں نے ؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں ... ہم تو اطلاع ملنے پر اس سڑک پر پہنچے جس پر یہ پڑے پائے گئے تھے وہاں سے ہم انھیں ہسپتال لے آئے اور بس۔"

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔"

"ان کا کہنا ہے کہ یہ بہت جلد ہوش میں آ جائیں گے ، انہیں بیہوشی کی دوا دی گئی ہے۔"

"اوہ اچھا ... مجھے ان کے کمرے میں لے چلیں۔"

وہ انھیں پروفیسر شہابی کے کمرے میں لے آئے۔ انھوں نے دیکھا ، پروفیسر داؤد کی عمر کے ایک شخص آنکھیں بند کیے ساکت لیٹے تھے۔

ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا ، نہ کوئی ڈاکٹر ، نہ نرس۔

یہ دیکھ کر انہوں نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"یہ کیا، ان کی دیکھ بھال کے لیے تو یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔"

"ابھی ابھی چیک کر کے گئے ہیں دو ڈاکٹر... کہہ رہے تھے، انھیں راؤنڈ لگانا ہے، پندرہ منٹ تک آ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے، ان کے آنے تک ہم یہیں ٹھہریں گے۔"

وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

ابھی پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ پروفیسر شہابی نے آنکھیں کھول دیں۔ "مم... میں... میں کہاں ہوں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"آپ ہسپتال میں ہیں اور بالکل خیریت سے ہیں۔" انہوں نے فوراً کہا۔

پروفیسر شہابی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا پھر فوراً بولے۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"جی ہاں، آپ اب کیسا محسوس کر رہے ہیں۔"

"مم... میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا، میں جہاز سے اتر کر باہر کی طرف جا رہا تھا... مجھے معلوم تھا باہر آئی جی صاحب کے بھیجے ہوئے لوگ مجھے لینے کے لیے آئے ہوئے ہیں، ایسے میں مجھے چکر آیا تو ایک صاحب نے سہارا دیا اور اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔"

"اوہ تب تو ایئر پورٹ کے عملے میں سے کسی کو معلوم ہونا چاہیے

کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا... ایک منٹ... میں فون کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا... انھیں صورت حال بتائی... پھر کہا: "ہماری اطلاعات تو یہ ہیں کہ پروفیسر شہابی صاحب ایئر پورٹ کے باہر سڑک پر بے ہوش پائے گئے تھے لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ ایئر پورٹ کے اندر بے ہوش ہوئے تھے... کسی نے انھیں سہارا دیا تھا اور اس کے بعد انھیں کچھ یاد نہیں۔"

"ہوں... وہاں چھان بین کر لیتے ہیں۔"

"جی نہیں... میں خود وہاں جاؤں گا۔" انہوں نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں۔"

فون بند کر کے وہ پھر پروفیسر کی طرف مڑے۔

"آپ اس شخص کا حلیہ بتا سکتے ہیں جس نے آپ کو سہارا دیا تھا۔"

"نہیں... اس لیے کہ پہلے مجھے چکر آیا تھا، پھر اس نے مجھے سہارا دیا تھا، لیکن تھا وہ مسافروں میں شامل۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ آپ کو باہر کیسے لے آیا اور آئی جی صاحب کے عملے کی نظروں سے بچا کر کیسے لے گیا... آئی جی صاحب کے عملے کو تو آپ کی تصویر دی گئی تھی... جونہی آپ نکلتے وہ آپ کو گاڑی میں بٹھا کر تجربہ گاہ لاتے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں... ہاں وہ شخص مل جائے جس نے مجھے سہارا دیا تھا تو کچھ بات معلوم ہو سکتی ہے۔"

اسی وقت انھوں نے بھاری قدموں کی آواز سنی ... انھوں نے
دیکھا ... دو ڈاکٹر اور دو نرسیں چلے آ رہے تھے ... ان سے علیک سلیک
اور تعارف کے بعد انسپکٹر جمشید نے کہا ۔

" ہم انہیں لے جانا چاہتے ہیں ۔"

" ضرور لے جائیں ... یہ اب بالکل ٹھیک ہیں ۔"

" آئیے پھر چلیں ،آپ کی موجودگی تجربہ گاہ میں ضروری ہے ۔"

وہ گاڑی میں تجربہ گاہ پہنچے ...

پروفیسر داؤد نے لپک کر پروفیسر شہابی کا استقبال کیا ...

" مجھے بہت افسوس ہے پروفیسر ... آپ کو تکلیف اٹھانا پڑی ۔"

" کوئی بات نہیں ۔"

فاروق نے بھی پروفیسر شہابی سے ہاتھ ملایا ... فرزانہ نے انہیں
سلام کیا ... وہ ان سے پہلی بار مل رہے تھے ... ان کے چہرے پر ایک
چھوٹی سی خوب صورت سی ڈاڑھی تھی ۔

دیکھنے میں وہ بہت سنجیدہ قسم کے آدمی نظر آ رہے تھے ۔

" آپ لوگوں سے پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے اور میں بہت خوشی
محسوس کر رہا ہوں ۔"

" شکریہ انکل ۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا ۔

" اب ذرا ہم اس آواز کے بارے میں بات کر لیں ۔"

" اور میں ایئر پورٹ جا رہا ہوں کیونکہ پروفیسر صاحب کی بیہوشی

کے سلسلے میں تھوڑی سے پیچیدگی ہے ۔"

" کیا مطلب ؟"

" پروفیسر صاحب نے بتایا ہے کہ وہ جہاز سے اتر کر باہر کا رخ کر
رہے تھے ... ابھی راستے میں تھے کہ انھیں چکر آ گیا ... انہیں یوں لگا
جیسے وہ بیہوش ہو رہے ہوں ، گرنے ہی لگے تھے کہ کسی نے سہارا دیا ...
اس کے بعد انھیں کچھ یاد نہیں ..."

" اچھی بات ہے ، ہم یہاں ٹھہرتے ہیں ۔"

" بالکل ٹھیک ۔"

" لل ... لیکن جمشید ۔" پروفیسر داؤد بول اٹھے ۔

" جی کہیے ۔"

" میں چاہتا تھا ... پہلے تم یہ سن لیتے کہ آواز والا معاملہ کیا ہے ،
یہ زیادہ ضروری ہے ، پروفیسر صاحب تو اب ہم تک پہنچ ہی چکے ہیں ۔"

انھوں نے ایک نظر پروفیسر داؤد پر ڈالی، پھر باقی لوگوں کی طرف
دیکھا ... آخر بولے : " اچھی بات ہے ۔"

" تب پھر بیٹھ جاؤ جمشید ۔"

سب لوگ بیٹھ گئے ... اب پروفیسر داؤد نے بتانا شروع کیا :

" یہ آج سے چھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ پروفیسر شہابی نے فون کیا
تھا اور بتایا تھا کہ انھوں نے آلات سے ایک بہت باریک سی آواز سنی
ہے لیکن وہ آواز باریک ہونے کے ساتھ بہت چھوٹی ویولینتھ پر تھی اور

آلات کے بغیر سنائی نہیں دے سکی تھی اور یہ کہ وہ اس آواز کے سلسلے میں بہت پریشان ہیں ... یہ سن کر میں نے کہا تھا کہ چھان بین کریں اور اگر کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو مجھے ہی بتا دیں ... اس کے بعد اس سلسلے میں ہماری پھر کوئی بات نہیں ہوئی ... اب رات میرے آلات پر وہی آواز سنائی دی تو مجھے پروفیسر شہابی صاحب کی بات یاد آئی۔''

اچانک انہوں نے پروفیسر شہابی کی حیرت بھری آواز سنی ۔

'' ارے باپ رے ۔''

'' کیا ہوا پروفیسر صاحب ... '' پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

باقی لوگ بھی فوراً ان کی طرف مڑے ۔

'' ن ... نہیں نہیں ۔'' مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

'' کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ۔'' انسپکٹر جمشید نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

'' ہاں۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولے ۔

'' اب معلوم ہوا مجھے وہاں کیوں بے ہوش کیا گیا تھا اور کسی نے سہارا کیوں دیا تھا ... لیکن پھر وہ مجھے ائرپورٹ سے باہر کیسے لائے ہوں گے ۔'' انھوں نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

'' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ۔''

'' مجھے بے ہوش کرنے والا جیب کا صفایا کر کے چلتا بنا ۔''

ان کی نظریں پروفیسر شہابی پر جم گئیں۔

'' آپ کی جیب میں کیا تھا۔''

'' اس آواز کے بارے میں میں نے ایک غیرملکی سائنسی رسالے میں پڑھا تھا ، کچھ اور مضامین بھی کئی اہم رسائل سے کاٹ کر ایک جگہ جمع کیے تھے ، وہ سب میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں تھے ... اب یہاں ان کا خیال آیا تو میں نے ان کاغذات کو نکالنا چاہا لیکن جیب بالکل خالی ہے۔''

'' اوہ ... اوہ ۔'' ان سب کے منہ سے نکلا۔

ایسے میں انسپکٹر جمشید کے موبائل کی گھنٹی بجی ، فون محمود کا تھا۔

☆☆☆☆☆

نہیں انکل

محمود اندھا دھند کار چلاتا خان رحمان کے گھر کے سامنے پہنچا۔

کار سے اترتے ہی وہ دروازے پر آگیا۔ پہلے تو اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا، پھر ہاتھوں سے دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا۔

ایک منٹ گزر گیا لیکن کوئی دروازہ کھولنے نہ آیا...

اس نے بے تاب ہو کر پھر گھنٹی کا بٹن دبایا... ہاتھ سے بھی دستک دی لیکن کوئی جواب نہ ملا... اب وہ مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا...

اس نے ساتھ والے دروازے پر دستک دے ڈالی...

دروازہ فوراً ہی کھلا... ایک ادھیڑ عمر آدمی نے باہر نکل کر کہا۔

''کیا بات ہے... ارے آپ انسپکٹر جمشید کے بیٹے محمود ہیں نا۔''

''جی ہاں بالکل، انکل خان رحمان کے دروازے کی گھنٹی بجائی دستک دی لیکن اندر سے کسی نے دروازہ نہیں کھولا... تھوڑی دیر پہلے فون پر ان کے منہ سے چیخ کی آواز نکلی تھی اور فون بند ہو گیا تھا، سو مجھے فوراً اس طرف آنا پڑا، اندر گڑبڑ لگتی ہے، میں آپ کی چھت کے ذریعے ان کی چھت پر اترنا چاہتا ہوں۔''

''آیئے میں آپکے ساتھ چلتا ہوں۔'' ان صاحب نے گھبرا کر کہا۔

دونوں سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آئے۔ دونوں چھتیں ملی ہوئی تھیں اور برابر برابر تھیں... اس لیے خان رحمان کی چھت پر اترنا ذرا بھی مشکل نہیں تھا...

''آپ ادھر ہی ٹھہریں۔'' محمود نے کہا۔

''کیوں... میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔''

''نہ جانے اس طرف حالات کیا ہوں اور کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔''

''اچھی بات ہے... میں یہیں اپنی چھت پر موجود ہوں، میری ضرورت پیش آئے تو آواز دے لیجیے گا۔''

''جی بالکل ٹھیک... آپ کا نام کیا ہے۔''

''ارمان بخاری ہے۔''

''شکریہ۔'' محمود نے کہا اور خان رحمان کی چھت پر اتر گیا۔

زینہ کھلا دیکھ کر محمود کی پیشانی پر بل پڑ گئے کیونکہ خان رحمان احتیاط کے پیش نظر زینہ اندر سے بند ہی رکھا کرتے تھے۔ اس نے صحن کے اوپر لگائی گئی گرل سے نیچے جھانکا۔ صحن میں کوئی نہیں تھا۔

اب اس نے قدرے بلند آواز میں پکارا۔ ''انکل آپ کہاں ہیں۔'' کوئی جواب نہ ملا...

اب اس نے جیب سے پستول نکالا اور سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

صحن میں جانے سے پہلے اس نے آخری سیڑھی پر رک کر چاروں طرف نظر ڈالی ... کہیں کوئی ہل جل نظر نہ آئی ... آخری سیڑھی سے اتر کر اس نے خان رحمان کے کمرے کا رخ کیا ...

دروازہ کھلا تھا اور خان رحمان، شہناز بیگم اور تینوں بچے بندھے پڑے تھے...

''ارے۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

پھر اس نے جوتے کی ایڑی سے چاقو نکالا اور رسیاں کاٹ دیں۔ منہ میں ٹھونسے ہوئے کپڑے بھی نکال دیے۔

''اللہ کا شکر ہے کہ تم آگئے۔'' خان رحمان نے چھوٹتے ہی کہا۔

''اور وہ کہاں ہیں ... ظہور انکل اور سلمٰی آنٹی۔''

''انھیں ان کے کمرے میں باندھا گیا ہوگا۔''

''تب پھر پہلے ان کی رسیاں کاٹ دوں۔''

محمود نے کہا اور ان کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی ...

جلد ہی وہ ان کی رسیاں بھی کاٹ چکا تھا۔

اس کے بعد وہ اوپر آیا، ارمان بخاری کو صورتِ حال بتا کر ان کا شکریہ ادا کیا تاکہ وہ بے چارے چھت پر ہی نہ کھڑے رہ جائیں ...

نیچے آیا تو خان رحمان اور باقی لوگ آرام سے بیٹھ چکے تھے۔

ظہور اور اس کی بیگم بھی وہیں آگئے تھے ...

''اب بتائیے کیا ہوا اور کیسے ہوا؟''

''جو ہوا اچانک ہوا ... میں فون پر تم سے ہی بات کر رہا تھا ... اچانک وہ لوگ اندر آگئے ... ان کے ہاتھوں میں پستول بھی تھے اور دستی بم بھی... بس اس کے بعد انھوں نے ہمیں باندھ لیا۔''

''لیکن انکل وہ اندر کیسے آگئے۔''

''دروازہ کھلا رہ گیا تھا، کھلا نہ ہوتا تب بھی دستک دینے پر تو ظہور دروازہ کھولتا تو وہ اندر آجاتے، وہ تو پہلے سے منصوبہ سازی کر کے آئے تھے۔''

''اور وہ چاہتے کیا تھے۔''

''یہ انہوں نے نہیں بتایا۔''

''اور باندھنے کے بعد انھوں نے کیا کیا؟''

''ہمیں نہیں معلوم ... میرے کمرے میں نے انہوں نے کچھ نہیں کیا تھا.. بس باندھ کر باہر نکل گئے تھے ... غالباً ان کے ساتھیوں نے ساتھ ہی ظہور اور سلمٰی کو باندھا تھا ورنہ ظہور کچھ تو کرتا۔''

''بالکل یہی بات تھی خان صاحب۔'' ظہور نے فوراً کہا۔

''تب پھر آپ پہلے گھر کا جائزہ لے لیں، کہیں وہ زیورات اور نقدی نہ اڑا لے گئے ہوں۔''

''لیکن محمود اس صورت میں تو انہیں ہمیں باندھنے کے بعد اس کمرے میں ہی ساری کاروائی کرنی چاہیے تھی، سیف وغیرہ سب کچھ تو یہیں ہے۔''

"آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن گھر کا جائزہ تو لینا ہو گا تب ہی پتا چلے گا کہ وہ کس لیے آئے تھے۔"

اب خان رحمان اور باقی لوگوں نے گھر کا جائزہ لیا...

آخر وہ پھر خان رحمان کے کمرے میں آئے۔

"کوئی چیز غائب نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے انکل۔"

"بھئی کوئی چیز ادھر سے ادھر ہو تبھی کچھ بتاؤں گا نا۔"

"پھر سوال یہ ہے کہ انہوں نے یہ کاروائی کیوں کی۔"

"میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"میں ابا جان سے بات کرتا ہوں۔"

اس نے موبائل پر نمبر ملایا... آواز سننے پر اس نے کہا۔

"ابا جان عجیب بہت عجیب۔"

"یہ میں تمہیں بہت عجیب کب سے لگنے لگا۔" وہ مسکرائے۔

"انکل خان رحمان کے گھر میں اچانک پانچ مسلح آدمی داخل ہوئے تھے، انہوں نے ان سب کو باندھا تھا اور بس۔"

"اور بس کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"بس باندھ کر چلتے بنے نہ کچھ لے گئے نہ کوئی مطالبہ کیا..."

"پورے گھر کی تلاشی لی جائے... تب پتا چلے گا کہ وہ کیوں آئے تھے۔"

"یہ کام ہم کر چکے، تب پھر؟"

"گھر کی کوئی چیز غائب نہیں ہے... کیا خبر... خوف زدہ کرنے کی نیت لے کر آئے ہوں" محمود نے جلدی سے کہا۔

"لیکن کس لیے... اور پھر یہ کون نہیں جانتا کہ ہم لوگوں کو خوفزدہ کرنا اتنا آسان نہیں۔"

"ہو سکتا ہے انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ ہم خوفزدہ ہونے والے نہیں۔"

"خیر چھوڑو... تم فوراً تجربہ گاہ آ جاؤ... انکل کو ساتھ لے آؤ... اور باقی لوگوں کو گھر پہنچا آؤ۔"

"ادھر کی کیا رپورٹ ہے۔"

"یہیں آ کر پوچھ لینا۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا۔

"آپ میرے ساتھ تجربہ گاہ چلیں گے انکل... اور یہ سب یہاں سے گھر جائیں گے... پہلے انہیں گھر پہنچاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

انہوں نے گھر کو تالا لگایا اور روانہ ہوئے۔

جونہی وہ انسپکٹر جمشید کے گھر کے دروازے پر پہنچے ایک اور حیرت ان کے سامنے تھی۔ گھر کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا اور ایسا ہونا معمول کے بالکل خلاف تھا۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ محمود اندر کی طرف دوڑ پڑا۔ اور پھر ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔ اندر بیگم جمشید بندھی پڑی تھیں، ساتھ میں بیگم شیرازی کو بھی باندھ

کر ان کے پاس ہی ڈال دیا گیا تھا۔ محمود تیزی سے حرکت میں آیا اور
اس نے ان کی رسیاں کاٹ دیں۔

اب جو تفصیل سنائی گئی ، وہ خان رحمان والی تفصیل سے مختلف نہیں
تھی ...کوئی چیز ادھر سے ادھر نہیں ہوئی تھی ... وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے
کیونکہ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ دشمن چاہتا کیا ہے ، وہ
کیا کر رہا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے۔

پھر محمود نے اپنے والد کو فون کیا ... وہ بھی حیرت زدہ ہوئے بغیر نہ
رہ سکے ... آخر انھوں نے کہا۔

"میں اکرام کو بھیج رہا ہوں ...وہ خواتین اور بچوں کو خفیہ عمارت
نمبر ایک میں پہنچائے گا ... تم ادھر آ جانا ، لگتا ہے اس مرتبہ کسی بہت
ہی ٹیڑھے دشمنوں سے پالا پڑ گیا ہے جن کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے فون بند کر دیا۔

جلد ہی اکرام وہاں پہنچ گیا ... وہ خواتین اور بچوں کو ساتھ لے کر
روانہ ہونے ہی لگا تھا کہ اچانک محمود بول اٹھا : "نہیں انکل !"

اکرام چونک کر مڑا ... اس نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں انکل کیا ؟"

"آپ خفیہ عمارت نمبر ایک نہیں جائیں گے۔"

"اور کہاں جاؤں ؟"

"دشمن کا منصوبہ کچھ کچھ میرے ذہن میں آ رہا ہے ... وہ ہمارے

خفیہ ٹھکانوں کا پتا لگانے کے چکر میں ہے ، اب دیکھیے نا، آپ سیدھے
وہاں جائیں اور وہ پہلے سے تاک میں ہے ، جانتا ہے کہ ان حالات
میں ہم کیا کریں گے لہٰذا وہ آپ کا تعاقب کرتا ، اور اس طرح کم ازکم
ایک خفیہ ٹھکانے کے بارے میں تو اسے معلوم ہو ہی جاتا ... پھر ہمارے
اس ٹھکانے پر ایک بھر پور حملہ کر سکتا تھا۔"

"ہاں واقعی ..." اکرام کے منہ سے کھوئے کھوئے انداز میں نکلا۔

عین اسی وقت محمود کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔

☆☆☆☆☆

دھنس گیا

وہ چونک اٹھے، محمود نے دیکھا، فون اس کے والد کا تھا۔

"تم ابھی خفیہ عمارت نمبر 1 کی طرف روانہ تو نہیں ہوئے۔"

"ہونے والے تھے کہ ایک خیال کے تحت رک گئے۔"

"کیا مطلب، کون سا خیال۔" انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"اس طرح دشمن ہمارے خفیہ ٹھکانے سے واقف ہو جائے گا اور کہیں اس کی منصوبہ بندی یہی نہ ہو۔"

"بہت خوب ... مجھے بھی یہی خیال آیا تھا، اسی لیے میں نے اس وقت فون کیا تھا ... اپنی امی، آنٹیوں اور حامد، سرور، ناز کو اکرم نیازی صاحب کے گھر چھوڑ کر تم ادھر آ جاؤ۔"

"جی بہت بہتر!"

"اور میں یہیں ٹھہرتا ہوں، تمہارے آنے پر ایرپورٹ جاؤں گا۔"

"جی اچھا۔"

اور پھر محمود اور خان رحمان تجربہ گاہ پہنچ گئے۔

"میں ایئرپورٹ جاتا ہوں ... تم لوگ یہاں چوکس رہو۔"

"جی اچھا ... لیکن۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن کیا؟"

"آپ ہم میں سے کسی کو ساتھ لے جائیں۔"

"ہوں ... اچھا ٹھیک ہے ... فرزانہ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی ... یا۔"

"ضرور پسند کروں گی۔" اس نے فوراً کہا۔

"آؤ چلیں ..."

اور پھر انسپکٹر جمشید اور فرزانہ جیپ میں ایرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے ... وہاں پہنچ کر انھوں نے ایرپورٹ منیجر کا معلوم کیا۔

انہیں بتایا گیا کہ وہ اپنے دفتر میں موجود ہیں۔

وہ شیشے کی دیواروں والے کمرے میں نظر آئے ... انہوں نے دروازے پر انگلی سے ٹھک ٹھک کی ... باہر کوئی چپراسی موجود نہیں تھا۔

ایرپورٹ منیجر نے چونک کر نظریں اٹھائیں پھر اشارے سے کہا:

"آ جائیے۔"

دونوں اندر داخل ہوئے۔ انسپکٹر جمشید نے ہاتھ ملایا، پھر کہا:

"میرا نام انسپکٹر جمشید ہے، کچھ دیر پہلے ملک کے مشرقی حصے سے آنے والی پرواز کے ایک مسافر پروفیسر شہابی کے بارے میں کچھ معلومات درکار ہیں۔"

"آپ نے کیا کہا ... انسپکٹر جمشید!" وہ چونکا۔

"جی ہاں۔"

وہ یک دم کھڑے ہو گئے اور ان سے پھر مصافحہ کیا۔

اس بار نہایت گرم جوشی سے ہاتھ ملایا گیا تھا...

"پروفیسر صاحب کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"انھیں سرکاری سطح پر اس جہاز میں سوار کرایا گیا تھا یعنی اس طرف کی سی آئی ڈی کے آئی جی صاحب کی مدد سے... اس طرف بھی انھیں سی آئی ڈی کا عملہ لینے کے لیے آیا ہوا تھا... لیکن وہ جہاز سے باہر نکل کر اس جگہ تک نہیں پہنچے جہاں وصول کرنے والے کھڑے ہوئے تھے بلکہ ائر پورٹ سے باہر سڑک پر بے ہوش پائے گئے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" منیجر صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"یہی جاننے کے لیے تو ہم یہاں آئے ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے... یعنی پروفیسر صاحب کا بیان یہ ہے کہ وہ جہاز سے اتر کر باہر اس جگہ نہیں پہنچے جہاں انھیں لینے کے لیے آئی جی صاحب کے عملے کے لوگ آئے ہوئے تھے۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

"تب پھر وہ سڑک پر کیسے پہنچ گئے۔"

"یہی چیز ہم پتہ کرنا چاہ رہے ہیں جس کیلئے آپ کو زحمت دی۔"

"خود ان کا کیا بیان ہے۔" منیجر نے پوچھا۔

"ان کا کہنا ہے کہ جہاز سے اتر کر وہ باہر کی طرف چل پڑے تھے... راستے میں انھیں زور دار چکر آیا... کسی نے انھیں سہارا دیا

اور بس اس کے بعد انھیں ہسپتال میں ہوش آیا۔"

"سہارا دینے والے شخص کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"جی نہیں... ان کا کہنا تو یہ ہے کہ انھیں زور دار چکر آیا تھا اور وہ گرنے لگے تھے کہ کسی نے انھیں سہارا دیا، وہ بے ہوش ہو گئے، اس طرح وہ سہارا دینے والے کو دیکھ نہ سکے۔"

"تب پھر آپ بتائیں... میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں... جہاز سے نکل کر جب کوئی شخص باہر آ جاتا ہے تو ہماری ذمے داری تو ختم ہو جاتی ہے... خود پروفیسر صاحب یہ کہتے ہیں کہ کسی مسافر نے انھیں سہارا دیا تھا۔" منیجر مسکرائے۔

"ہاں یہی بات ہے... اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سہارا دینے والا انھیں اس جگہ تک لاتا جہاں لینے کے لیے آنے والے کھڑے تھے... اور کہتا ان صاحب کو چکر آ گیا ہے اور غالباً یہ اپنے پورے ہوش میں نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، اس میں عجیب بات یہ ہے کہ جب انھیں لینے کے لیے آنے والے لوگ وہاں موجود تھے تو ان سب کی نظروں سے بچا کر انھیں سڑک تک کیسے لایا گیا۔"

"اس کا ایک جواب ہو سکتا ہے۔" ایسے میں فرزانہ بول اٹھی۔

"چلو تم بتا دو۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"دیکھئے وہ شخص نہیں چاہتا تھا کہ پروفیسر صاحب ان لوگوں کے

ساتھ جائیں جو انھیں لینے کے لیے آئے ہوئے ہیں کیونکہ وہ ان کی جیب سے ضروری کاغذات اڑانا چاہتا تھا جیسا کہ یہ بات ثابت بھی ہو چکی ہے کہ ان کی جیبوں سے تمام کاغذات غائب ہیں تو کسی طرح اس نے ان کا حلیہ تبدیل کر دیا۔''

'' حلیہ تبدیل کر دیا، وہ کیسے؟'' مارے حیرت کے منیجر نے کہا۔

'' جی ہاں، جرائم پیشہ لوگوں کے لیے ایسا کرنا کوئی مشکل کام نہیں... ریڈی میڈ میک اپ کے ذریعے آن کی آن چہرے کے نقوش کو تبدیل کیا جا سکتا ہے جیسے کے ربر کے اسپرنگ جنہیں اگر نتھنوں میں پھنسا دیا جائے تو ناک کی نول قدرے اوپر اٹھ جاتی ہے اور سامنے کے دو دانت نظر آنے لگتے ہیں... اب ظاہر ہے کہ ان کو لینے کیلئے جو افراد آئے تھے ان کو صرف تصویر دی گئی تھی، نقوش میں تبدیلی کا انہیں پتا بھی نہیں چلا ہو گا... تو اس طرح ایک سیکنڈ میں نقوش تبدیل کر کے وہ شخص انھیں باہر لے آیا... پھر ان کی جیبوں سے کاغذات نکالے اور انھیں سڑک پر چھوڑ کر چلا گیا... ایسے میں کوئی دیکھ لیتا تو وہ کہہ سکتا تھا... یہ بے ہوش ہو گئے ہیں... ایمبولینس وغیرہ کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔''

فرزانہ کی بات ختم ہوئی تو انسپکٹر جمشید بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے: '' ہو سکتا ہے کہ آپ کو دوبارہ زحمت دی جائے۔''

'' کوئی بات نہیں... جب آپ چاہیں۔'' منیجر نے مسکرا کر کہا۔

'' آپ کا نام کیا ہے جناب؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

'' تابش توری۔''

'' شکریہ جناب!''

اور وہ وہاں سے نکل آئے۔

'' میرا خیال تھا کہ آپ سی سی ٹی وی کی فوٹیج طلب کریں گے۔''

'' اس کی ضرورت نہیں...''

'' کیوں... ضرورت کیوں نہیں...''

'' جو شخص سیکنڈوں میں کسی کے چہرے کے نقوش تبدیل کر سکتا ہو، کیا وہ اپنی اصل شکل میں سامنے آیا ہو گا... ہرگز نہیں۔''

اب ان کا رخ تجربہ گاہ کی طرف تھا... ایسے میں انہیں بیگم جمشید کا خیال آیا... انھوں نے سوچا کہ خیریت معلوم کر لی جائے۔

انہوں نے بیگم جمشید کا نمبر ملایا... دوسری طرف سے فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی۔ '' السلام علیکم۔''

'' وعلیکم السلام بیگم... ادھر کیا حالات ہیں۔''

'' جب سے آئے ہیں یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم سب کی زبردست نگرانی ہو رہی ہے، جیسے کوئی مسلسل نظریں جمائے بیٹھا ہو۔''

'' اوہو اچھا... پھر تو مجھے آ کر دیکھنا ہو گا۔''

'' ہاں آ ہی جائیں تا کہ یہ الجھن دور ہو۔''

'' ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔''

انھوں نے رخ تبدیل کر دیا...

اکرم نیازی ان کے دوستوں میں سے تھے اور کبھی کبھی ان سے اس قسم کے کام لے لیے جاتے تھے... رہتے بھی ان کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھے... جلد ہی وہ ان کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔

جونہی دستک دی بیگم جمشید نے دروازہ کھول دیا۔

ان کے چہرے پر کوئی عجیب سی بات تھی...

"گویا کوئی بات ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"آپ ٹھیک سمجھے، لگتا ہے یہاں خطرہ ہر لمحے بڑھ رہا ہے۔"

"بس تو پھر پہلے گھر خالی کر دیا جائے۔" انھوں نے فوراً کہا۔

چند منٹ کے اندر وہ سب باہر آ گئے۔ اکرم نیازی کے گھر والے بھی باہر آ گئے تھے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

اکرم نیازی خود اس وقت گھر میں نہیں تھے۔

وہ بہت تیزی سے گھر سے کافی فاصلے پر آ گئے۔

پھر نیازی صاحب کو فون کیا گیا۔ انھیں بتایا گیا کہ گھر میں داخل نہ ہوں اور یہ کہ سب افراد ایک خفیہ جگہ پر جا رہے ہیں۔

اکرم نیازی کہنے لگے۔ "ٹھیک ہے... میں سمجھ گیا۔"

اکرام سے بڑی گاڑی منگوائی گئی۔ سب اس میں سوار ہوئے۔

اکرام نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ آگے روانہ ہوئے... دونوں موبائل پر آپس

میں برابر رابطہ رکھے ہوئے تھے...

"فی الحال ہم ایک ہوٹل جا رہے ہیں اکرام... نعمان ہوٹل۔"

"جی مجھے معلوم ہے... وہ ہوٹل کہاں ہے۔"

وہ دل ہی دل میں مسکرا دیے... نعمان ہوٹل بھی دراصل ان کے گہرے دوست کا تھا اور اس ہوٹل سے ایک خفیہ راستہ نکلتا تھا۔ اس خفیہ راستے سے وہ کسی وقت بھی آسانی سے نکل سکتے تھے...

نعمان احمد نے ان کا استقبال کاروباری انداز میں کیا۔

پہلے سب کے نام رجسٹر میں لکھے گئے... باقاعدہ کرایہ لیا گیا۔ پھر چابیاں دی گئیں اور بیرے ان کا سامان اٹھا کر ہوٹل کی آخری منزل پر لے آئے... خفیہ راستہ اسی منزل سے جاتا تھا... نعمان نے ان سے کوئی بات بھی نہیں کی۔ یوں ظاہر کیا جیسے ان کا آپس میں قطعاً کوئی تعلق نہ ہو۔ اس وقت ان سب کو وہاں سے کہیں اور منتقل کرنا مناسب نہیں تھا لہٰذا وہ ان سے یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے...

"ہم فارغ ہو کر آئیں گے، آپ کھائیں پئیں آرام کریں۔"

عین اس وقت ان کے موبائل کی گھنٹی بجی... اسکرین کی طرف دیکھا تو ان کے ایک ماتحت کا فون تھا... انھوں نے موبائل آن کیا تو اس کی آواز سنائی دی۔

"سر... اکرم نیازی صاحب کا مکان زمین میں دھنس گیا ہے لیکن یہ بم دھماکا نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکے۔

"یوں لگا جیسے ساری عمارت زمین میں دھنس گئی ہے۔"

"ارے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"آس پاس کسی مکان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا نہ کسی دھماکے کی آواز آئی البتہ عمارت کے ٹوٹنے پھوٹنے کی آوازیں ضرور آئی تھیں۔"

"کیا تم اس وقت وہیں تھے۔"

"جی سر... سب انسپکٹر صاحب نے میری ڈیوٹی لگائی تھی... ادھر آپ یہاں سے روانہ ہوئے تھے ادھر میری ڈیوٹی شروع ہوگئی تھی۔"

"اچھا تم وہیں ٹھہرو۔"

اب انھوں نے آئی جی صاحب کو یہ خوفناک خبر سنائی۔

وہ دھک سے رہ گئے: "یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے جمشید۔"

"کچھ ہونے والا ہے سر، بہت غیر محسوس طور پر اس کی تیاری کر لی گئی ہے... نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے موبائل فون بند کر دیا۔

بند کیا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔

☆☆☆☆☆

سنگین مسئلہ

انھوں نے اسکرین پر نظر ڈالی اور حیرت زدہ رہ گئے۔

اس پر کوئی غیر ملکی نمبر تھا...

موبائل آن کیا تو دوسری طرف سے کہا گیا۔ "انسپکٹر جمشید؟"

"جی ہاں انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں۔"

"اپنے دوست کے گھر کی تباہی مبارک ہو۔"

"کیا مطلب؟"

آپ کے دوست اکرم نیازی کا گھر زمین میں دھنس گیا ہے، یہ ہلکا سا نمونہ تھا، ابھی آپ کو اور بہت کچھ دیکھنا ہے... اگر چاہتے ہیں... ایسا کوئی اور کوئی منظر نہ دیکھنا ہو تو..." وہ کہتے کہتے رک گیا...

"تو کیا؟؟" انھوں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"اس سے پہلے یہ جان لو کہ ہم جو عمارت چاہیں اسی طرح زمین میں دھنسا سکتے ہیں، کہو تو ابھی ایوان صدر کو غائب کر دیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا... انھوں نے فوراً آئی جی صاحب کے نمبر ملائے... سلسلہ ملتے ہی بولے:

"صدرِ محترم سے فوری ملاقات کا انتظام کر لیں سر... اکرم نیازی

کا مکان زمین میں دھنسا دینے والوں کا فون آیا تھا ابھی ابھی۔“

”اوہ ... کیا کہا ہے۔“

”میں وہیں آ رہا ہوں سر یعنی اکرم نیازی کے گھر کے پاس ... آپ سے وہیں ملاقات ہو گی ... اس کے بعد ہم سیدھے صدر صاحب کے پاس جائیں گے۔“

”جمشید ... ویسے تم نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔“

”میں خود بھی فکر مند ہوں سر۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے ... خیر تم پہنچو۔“

انسپکٹر جمشید عین اس وقت اکرم نیازی کے گھر کے سامنے پہنچے جب آئی جی صاحب کی کار وہاں آ کر رکی ... دونوں نے ہاتھ ملائے، فرزانہ نے ان کو سلام کیا۔ پھر اس مقام کی طرف قدم اٹھانے لگے جہاں کچھ دیر پہلے اکرم نیازی کا خوب صورت گھر تھا ... اب وہاں خلا نظر آ رہا تھا اور مکان کی جگہ زمین میں ایک گڑھا نمودار ہو چکا تھا ...

وہ حیرت زدہ آنکھوں سے اس جگہ کو دیکھتے رہے، پولیس نے اس جگہ کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اور بے شمار لوگ اس گھیرے کے دوسری طرف کھڑے تھے ... وہ خوفزدہ انداز میں اس جگہ کو دیکھ رہے تھے ... انھوں نے آگے بڑھ کر گڑھے کو دیکھا۔

تقریباً دس فٹ نیچے دھنسے ہوئے مکان کا اوپر والا حصہ ٹوٹا پھوٹا نظر آ رہا تھا گویا زمین سے دس فٹ نیچے تو مکان کا صرف اوپر والا حصہ

تھا باقی اس سے نیچے زمین میں تھا اور یہ ایک بہت ہولناک بات تھی۔ دشمن اس قابل تھے کہ ملک کی کسی بھی عمارت کو زمین میں دھنسا سکتے تھے تو وہ ان کا ہر مطالبہ ماننے پر مجبور تھے۔

”آپ نے صدر صاحب سے رابطہ کیا سر؟“

”ہاں جمشید ... وہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں لیکن میں نے انھیں کچھ بتایا نہیں۔“

”تو پھر پہلے وہیں چلتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے، بلکہ ایک ہی گاڑی میں چلتے ہیں، تم اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو۔“

”جی اچھا۔“

اب تینوں ایوانِ صدر پہنچے ... صدر مملکت کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

”شیخ صاحب آپ کی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ معاملہ بہت سنگین ہے ... آپ بغیر کسی تمہید کے بتائیں۔“

”جمشید تم بتاؤ۔“ آئی جی صاحب نے فوراً ان کی طرف دیکھا۔

”سر بغیر کسی تمہید کے تو بات یہ ہے کہ میرے ایک دوست کا مکان زمین میں دھنس گیا ہے۔“

”کیا مطلب ... میں کچھ سمجھا نہیں۔“

انھوں نے شروع سے واقعات سنانا شروع کیے ...

اس کے بعد اکرم نیازی کے گھر کے تباہ ہونے کے بعد آنے والے غیر ملکی فون کے الفاظ بھی دہرا دیے۔

صدر مملکت حیران رہ گئے ... پھر بولے :

’’اور اب وہ کیا چاہتا ہے۔‘‘

’’یہ اس نے ابھی تک نہیں بتایا۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے ... ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔‘‘

’’جی ہاں اس نے کہا تھا کہ وہ کسی وقت بھی کسی عمارت کو بھی اس طرح زمین میں دھنسا سکتے ہیں۔‘‘

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ... اسی وقت ان کے موبائل فون کی گھنٹی بجی ... جونہی انہوں نے بٹن دبایا ... ادھر سے کہا گیا۔

’’صدر مملکت سے بات کر چکے انسپکٹر جمشید۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’خوب ! تو پھر سنیے ... پروفیسر شہابی کو ہمارے حوالے کر دیں، بس جہاں ہم کہتے ہیں انہیں وہاں پہنچا دیں ... لیکن ہم انکار نہیں سنیں گے ... اگر اس بات سے انکار کیا گیا تو دوسرے نمبر پر جو عمارت زمین میں دھنسے گی، اس میں انسان بھی ہوں گے، اس بار تو ہم نے یہ کیا ہے کہ ایک خالی گھر کو زمین میں دھنسایا ہے، دوسری بار انسان بھی ساتھ جائیں گے، تیسری بار ایک اہم عمارت کی باری آئے گی، پھر اس سے زیادہ اہم کی ... یعنی ہم دیکھیں گے کہ آپ لوگ کتنے انسانوں کی

قربانیاں دیں گے ... ایک پروفیسر شہابی کو بچانے کے لیے۔‘‘

’’ہم آپس میں مشورہ کریں گے ... آپ سے رابطہ کیسے ہوگا۔‘‘

’’آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ... میں رابطہ کروں گا۔‘‘

فون بند ہونے پر انسپکٹر جمشید نے ایک نظر ان دونوں حضرات پر ڈالی ... انہوں نے ساری بات چیت سن ہی لی تھی۔

آخر صدر صاحب نے کہا۔ ’’مجھے پروفیسر شہابی کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہیں ... اب یہ معاملہ تمہارے ذمے ہے جمشید ... تم کیا کرنا چاہتے ہو کیا کرو گے ... میں تم پر چھوڑتا ہوں۔‘‘

’’آپ ہمیں اجازت دیں ... پہلے ہم تجربہ گاہ جائیں گے ... ان سے بات کریں گے ... پھر آپ کو بتائیں گے۔‘‘

’’اچھی بات ہے جمشید۔‘‘ صدر صاحب نے فکر مندانہ انداز میں سر ہلا دیا ... اور وہ دونوں باہر نکل کر اپنی گاڑی میں آ بیٹھے...

انسپکٹر جمشید نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

’’اب کیا بنے گا جمشید۔‘‘

’’میں خود اس وقت بہت پریشان ہوں سر۔‘‘

’’پروفیسر شہابی صاحب کا پس منظر کیا ہے۔‘‘ فرزانہ نے پوچھا۔

’’اس بارے میں تمہارے پروفیسر انکل وضاحت کریں گے ... ظاہر ہے، وہ سائنس کی دنیا کے انسان ہیں ... لیکن ان سے چونکہ پہلے کوئی ملاقات نہیں ہوئی، اور ان کا نام بھی پہلی بار سامنے آیا ہے ...

بلکہ تمہارے انکل نے ہی تعارف کرایا تھا ، اس لیے ہم ان کے بارے
میں زیادہ نہیں جانتے۔'' انسپکٹر جمشید پرسکون انداز میں کہتے چلے گئے ۔
اور آخر وہ تجربہ گاہ پہنچ گئے۔ باقی سب لوگ اب وہیں تھے ...
انہیں دیکھ کر ان کے چہروں پر رونق آ گئی ۔

'' شکر ہے جمشید تم آئے تو ، اور یہ اچھی بات ہے کہ شیخ صاحب
بھی ساتھ ہیں''

'' لیکن پروفیسر صاحب ... '' آئی جی صاحب نے کہنا چاہا۔

'' کہیے شیخ صاحب ... آپ رک کیوں گئے۔''

'' میرا خیال ہے ... یہ بات جمشید کو کرنی چاہیئے۔'' یہ کہتے ہوئے
انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔

'' پروفیسر صاحب ، ذرا ہمیں پروفیسر شہابی صاحب کا پس منظر بتا
دیں ... اب ضرورت آ پڑی ہے اس بات کی کہ ان کے بارے میں
ہمیں سب کچھ معلوم ہو جائے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے ایک نظر پاس ہی کھڑے پروفیسر شہابی پر ڈالی
اور مسکرائے۔ پروفیسر شہابی بھی جواباً مسکرائے۔

'' پروفیسر شہابی صاحب سے میری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب
پروفیسر غوری شہید ہو گئے تھے ... میں ان کے جنازے میں شرکت کے
لیے گیا تھا ... وہیں ان سے ملاقات کی ... انہوں نے سائنس کی اعلیٰ
ڈگریاں حاصل کی ہیں وغیرہ ... بس اس کے بعد ان سے علیک سلیک

ہوتی رہی ... ہم تجربات اور ایجادات کے سلسلے میں بھی اکثر بات کرتے
رہتے ہیں ... بس یہ ہے ان کا تعارف اور پھر ایک روز انہوں نے فون
کیا اور بتایا کہ اپنے آلات پر ایک نہایت باریک آواز سنی ہے ... اس
آواز نے انہیں فکر میں مبتلا کر دیا ہے کیونکہ ان کی سمجھ سے باہر ہے ،
ان کی یہ بات مجھے یاد تھی ... اس رات بھی بالکل ایسی آواز سنائی دی تو
میں نے انہیں پیغام دیا کہ ادھر آ جائیں ... اور اپنی طرف کی ریکارڈ کی
ہوئی آواز لیتے آئیں۔''

'' پروفیسر شہابی ... آپ آواز کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔''
انسپکٹر جمشید پروفیسر شہابی کی طرف پلٹے۔

'' فی الحال تو کچھ زیادہ نہیں ... اور جاننے کیلئے پہلے تو ہمیں یہ
دیکھنا ہو گا کہ دونوں آوازیں ایک ہی ہیں یا مختلف قسم کی ہیں ... اگر
ایک ہی ہیں تو کیا ان کے سنائی دینے کا وقفہ ایک ہی ہے ... یا کم و
بیش ہے ... اس کے بعد کچھ اندازہ لگایا جا سکے گا ۔'' پروفیسر شہابی نے
جلدی جلدی کہا ۔

'' بالکل ٹھیک ۔'' پروفیسر داؤد نے ان کی تائید کی ۔

پھر دونوں آوازوں کو وقت کے اعتبار سے اور ہر اعتبار سے کئی بار
سنا گیا ... وہ بالکل ایک تھیں ... اور واقعی بہت عجیب تھیں ... ایسی
آوازیں انہوں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھیں ... ایسے میں
فاروق کو فرزانہ کا خیال آیا ...

"اور فرزانہ تم نے بھی تو سنی تھی آواز۔"

"وہ بھی بالکل یہی تھی ... اتنی ہی دیر کی تھی۔"

"ٹھیک ہے، ہم اس آواز کا سراغ لگائیں گے ... اس کی تہہ تک ضرور جائیں گے، لیکن پہلے ایک اور سنگین مسئلہ۔" انسپکٹر جمشید ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"بتائیں ... وہ سنگین مسئلہ کیا ہے۔"

"آج ہم نے شاید اس صدی کی سب سے ہولناک خبر سنی۔"

"ہولناک خبر؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہاں ہولناک ترین خبر ... اور وہ یہ کہ اکرم نیازی کا گھر زمین میں دھنس گیا ... وہ بھی بغیر کسی دھماکے کے۔"

"کیا!!!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"ہاں یہی بات ہے ... جس جگہ مکان موجود ہے وہاں اب دس فٹ گہرا گڑھا نظر آ رہا ہے اور اس کے نیچے دھنسا ہوا مکان۔"

"ارے۔" وہ چلا اٹھے۔

"لیکن ایک اس سے بھی زیادہ سنگین مسئلے سے ہمارا سامنا ہے۔"

"اس سے بھی زیادہ سنگین مسئلہ۔"

مارے حیرت اور خوف کے ان سب کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆

خدا حافظ

انہوں نے ایک نظر سب پر ڈالی۔

مارے بے چینی اور پریشانی کے ان کا برا حال تھا کیونکہ قریبی پڑوسی کا مکان زمین میں اس طرح دھنس جانا معمولی پریشانی والی بات نہیں تھی جبکہ انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے کہ اس سے بھی بڑی پریشانی کی بات موجود تھی لہٰذا وہ تو جلد از جلد جان لینا چاہتے تھے کہ وہ کیا ہے۔

"ہاں اس سے بھی زیادہ سنگین۔" انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"آخر ... کیا ہے۔"

"اکرم نیازی کے گھر کو زمین میں دھنسا دینے والوں کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا، یعنی ہمارے ملک کی کسی بھی عمارت کو زمین میں دھنسا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، نمونے کے طور پر انہوں نے اکرم نیازی کا گھر دھنسا کر دکھایا ہے، اب وہ جس عمارت کو چاہیں گے زمین میں دھنسا دیں گے۔"

"نن نہیں۔" مارے خوف کے ان سب کے منہ سے نکلا۔

"اب ان کا مطالبہ سن لیں۔" انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر ایک لمحے کے

لیے رکے تھے کہ فاروق بول پڑا۔

"لگتا ہے ... ان کا مطالبہ ہولناک ہے۔"

"اندازہ درست ہے ... وہ کہتے ہیں پروفیسر شہابی کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔"

"کیا !!!" ان سب کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

"اور وہ کہتے ہیں اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو وہ پہلے شہر کی ایک عمارت کو زمین میں دھنسائیں گے پھر دوسری کو پھر تیسری کو، ان کے بعد اہم عمارتوں کی باری آئے گی۔"

تجربہ گاہ میں مکمل سناٹا چھا گیا۔ شاید کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے ... بس سب کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جمی تھیں اور وہ جیسے کہیں دور خلاؤں میں گھوم رہے تھے ...

آخر پروفیسر داؤد نے کہا۔ "پھر ... تم نے کیا سوچا ہے جمشید۔"

"میں ان سے کہوں گا ... پروفیسر صاحب کے بجائے میں خود کو تم لوگوں کے حوالے کر دیتا ہوں۔"

"اگر انہوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا تو ؟" خان رحمان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"تب ہم کہیں گے ... پروفیسر داؤد کو لے لیں۔"

"تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"یہ نہیں ہو گا۔" پروفیسر شہابی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"کیا نہیں ہو گا۔"

"آپ لوگ میری جگہ پروفیسر داؤد کو ان کے حوالے نہیں کریں گے ... مجھے ہی ان کے حوالے کر دیں۔"

"نہیں اس معاملے میں آپ ہماری وجہ سے الجھے ہیں ... آپ کی جگہ میں جاؤں گا اور بے فکر رہوں گا۔" پروفیسر مسکرائے۔

"بے فکر رہوں گا ... کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ مجھے یہ یقین کامل رہے گا کہ انسپکٹر جمشید میری رہائی کے لیے میدان میں کود پڑیں گے اور یہی نہیں ... اس پوری سازش کی دھجیاں بکھیر دیں گے۔"

"اور اگر ان لوگوں نے میرے بجائے آپ کو لینے سے انکار کر دیا۔" پروفیسر شہابی نے کہا۔

"اس صورت میں ہم مجبور ہوں گے اور آپ کو بھیج دیں گے، لیکن آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ تک پہنچ جائیں گے، ان لوگوں سے نہ صرف یہ کہ آپ کو رہائی دلائیں گے بلکہ ان کی سازش کا خاتمہ کر کے رہیں گے۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"اس سوال کا فی الحال ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے... اب جب وہ رابطہ کریں گے ... تب یہ بات ان سے ہو گی۔"

"ہاں ... ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔"

"اوہ !!!" اس کے منہ سے نکلا۔

اور پھر تین گھنٹے گزر گئے ... یہ تین گھنٹے ان کیلئے تین صدیاں بن کر گزرے ... پھر انسپکٹر جمشید کے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ نمبر دوسرا تھا لیکن تھا یہ بھی غیر ملکی ...

انسپکٹر جمشید نے کال ریسیو کا بٹن دبایا ...

"امید ہے کہ آپ نے فیصلہ کر لیا ہوگا ..." وہی آواز آئی۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پروفیسر شہابی کی بجائے پروفیسر داؤد کو آپ کے حوالے کر دیتے ہیں۔"

"آپ کا فیصلہ ہمارے لیے عجیب ہے۔"

"ہمارا دین ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ دوسروں کی جگہ اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دینا چاہیئے۔"

"مشورہ کر کے بتاؤں گا ... ایک گھنٹے بعد۔"

فون بند ہونے پر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ...

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ لوگ پروفیسر شہابی کو حوالے کرنے پر کیوں اصرار کر رہے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"سامنے کی بات ہے فاروق ... ان کا خیال ہے کہ پروفیسر شہابی کچھ مزید تجربات کے پروفیسر داؤد کے ساتھ مل کر ان آوازوں کا راز جان سکتے ہیں، اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ ایسا ہو لہٰذا وہ پروفیسر شہابی کو

پروفیسر داؤد سے الگ کر دینا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کا مطلب ہے کہ ان کا یہ مقصد پروفیسر انکل کو یرغمال بنا کر ساتھ لے جانے سے بھی حل ہو سکتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن ہمیں الجھانا چاہتا ہے ... ہمیں غلط راہ پر ڈالنا چاہتا ہو ... ہماری توجہ اپنی اصل سازش سے ہٹانا چاہتا ہو ... وہ چاہتا ہے کہ ہم پروفیسر انکل کو چھڑانے کے چکر میں پڑ جائیں اور آواز کی طرف توجہ نہ دے پائیں ... تب پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمارے ملک کو اس آواز کے سلسلے میں کوئی خطرہ در پیش ہے۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ہاں یہ بات بھی ہو سکتی ہے ... تو پھر ہم پوری طرح دشمن کے قابو میں ہیں ... اپنی عمارات کو بچانے کے چکر میں ہم آواز پر کام نہیں کر سکیں گے ... اور عمارات کو تباہ ہونے سے کس طرح بچایا جا سکتا ہے یہ سوال بھی اپنی جگہ پر موجود رہے گا ... ادھر پروفیسر انکل یا پروفیسر شہابی دشمن کے قبضے میں ہوں گے، انہیں تلاش کرنا اور مشکل کام ہوگا اور اس طرح ہماری توجہ دو سمتوں میں بٹ جائے گی ... مطلب یہ کہ اس مرتبہ کا دشمن بڑا چالباز ہے۔" خان رحمان کہتے چلے گئے۔

"آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی ... فون اسی نمبر کا تھا۔

بٹن دباتے ہی اس کی آواز سنائی دی۔

"اوکے، پروفیسر شہابی کی جگہ پروفیسر داؤد ..."

"کہاں بھیجنا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بھنا کر کہا۔

"ایکورم کے جہاز پر بٹھا دیں ... وصول ہم خود کرلیں گے۔"

"کیا کہا ... ایکورم۔" مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

باقی سب ساتھیوں نے خوف کے عالم میں ان کی طرف دیکھا۔

لیکن اس وقت وہ ان سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، کیونکہ بات جاری تھی۔

"ہاں ایکورم۔" دوسری طرف سے ہنس کر کہا گیا۔

"ٹھیک ہے ... اب جو بھی پہلی پرواز بھی جائے گی ..."

"یہ ہوئی نا بات۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔

"کیا ہم واقعی مجبور ہیں۔" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں اس کے بغیر چارہ نہیں لیکن۔"

"اگر پروفیسر انکل کو یرغمال بنانے کے بعد بھی انہوں نے عمارتوں زمین میں دھنسایا تو..."

"معلوم نہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا ... بیٹھے گا یا نہیں۔"

"ہم آواز کا معما پروفیسر انکل کے بغیر کیسے حل کر پائیں گے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"دشمن نے ہمیں ہر طرح سے گھیر لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"میں اداسی محسوس کر رہا ہوں۔" فاروق درد بھری آواز میں بولا۔

"نہیں بھئی گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ... بہادر ایسے موقعوں پر ہمت نہیں ہارتے، زندگی میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آتے ہیں، حوصلہ نہ ہارو۔"

"آپ کہتے ہیں تو نہیں ہارتے، ویسے جی چاہ رہا ہے ہار دیں۔"

"کیا ہار دیں ..." پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

"جی ... حوصلہ۔"

"اوہ اچھا۔"

ایسے میں فون کی گھنٹی بجی ... انہوں نے دیکھا، فون صدر مملکت کا تھا ... سلسلہ ملتے ہی انہوں نے کہا۔ "کیا رہا جمشید۔"

"پروفیسر شہابی کے بجائے ہم نے پروفیسر داؤد کو بھیجنے کا پروگرام طے کیا ہے ... انہیں ایکورم کے جہاز پر سوار کرانا ہوگا۔"

"اوہ اچھا۔" صدر صاحب نے حیران ہو کر کہا ... پھر بولے:

"جانتے ہو جمشید ... ہم اپنے کسی شہری کے بارے میں اس ریاست یعنی ایکورم سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتے۔"

"جی سر مجھے معلوم ہے کہ اس پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں چلتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے جمشید، لیکن اس وقت پروفیسر صاحب کو بھیجنا بھی تو ہمارے لیے بہت بے عزتی کی بات ہے۔"

"ایسے مواقع قوموں پر آتے رہے ہیں سر ... آپ دیکھیے ...

سلطان ٹیپو کتنے دلیر تھے ، انہوں نے مسلسل جنگ لڑی لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ اپنے دو بیٹے دشمن کے قبضے میں دینے پڑ گئے ، بعد میں انہوں نے تاوان ادا کر کے بیٹوں کا چھڑایا۔''

''ہوں ... میں بھی ائرپورٹ پہنچوں گا ۔''

''آپ تکلیف نہ کریں سر۔'' پروفیسر داؤد نے جلدی سے کہا۔

''نہیں ... میں ائرپورٹ پر آؤں گا اور جس روز یہ لوگ آپ کو واپس لائیں گے ... میں اس روز بھی آپ کا استقبال کرنے کے لیے ائرپورٹ آؤں گا ۔'' صدر مملکت مضبوط لہجے میں بولے۔

''شش ... شکریہ سر۔'' وہ ہکلائے ۔

''شکرگزار تو ہم سب ہیں ، آپ ملک اور قوم کے لیے کتنی بڑی قربانی دے رہے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے صدر مملکت کی آواز بھرا گئی۔

جلد ہی صدر صاحب نے پھر فون کیا ... وہ کہہ رہے تھے ۔

''صبح گیارہ بجے ایکورم کے لیے جہاز روانہ ہو گا ، پروفیسر صاحب کا خاص خیال رکھا جائے گا ، اس بارے میں ایوان صدر سے خاص ہدایات دی جا رہی ہیں ۔''

''اور کیا یہ جہاز ہمارے ملک کا ہے سر۔''

''ہاں ... ایکورم کے لیے ہفتے میں صرف دو پروازیں جاتی ہیں اور ہمارے ہی ملک کے جہاز جاتے ہیں ... ایکورم کے جہاز نہیں آتے ۔''

''ٹھیک ہے سر ... کل ائرپورٹ پر ملاقات ہو گی۔''

''ان شاء اللہ !'' صدر صاحب کے منہ سے نکلا ۔

اور پھر دوسرے دن ٹھیک دس بجے ائرپورٹ پر پہنچ گئے۔

صدر مملکت بھی آ گئے تھے ... اس وقت پروفیسر داؤد کے چہرے پر غم کے آثار تھے ... خاص طور پر شائستہ تو رو رہی تھی ... اسے روتے دیکھ کر باقی لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ...

خود صدر صاحب بھی اپنے آنسو نہ روک سکے۔

پروفیسر نے جب انکی آنکھوں میں آنسو دیکھے رہ نہ سکے اور بول اٹھے : ''سر ... کم از کم آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے چاہئیں۔''

''کیوں بھئی ، کیا میں انسان نہیں ہوں۔''

''صدر انکل آپ فکر نہ کریں ... ہم بھی ایکورم پہنچ رہے ہیں۔''

''شاید اس کا فائدہ نہیں ہو گا ۔'' پروفیسر صاحب نے کہا۔

''جی ... کیا مطلب ... کیوں فائدہ نہیں ہو گا ۔''

''یہ منصوبہ بندی ہماری نہیں دشمن کی ہے اور دشمن کیا چاہتا ہے ہم نہیں جانتے ... اس کا منصوبہ کیا ہے نہیں معلوم جبکہ آپ لوگوں کا منصوبہ بعد میں شروع ہو گا ۔''

''لیکن اس کے باوجود ہم آ رہے ہیں ... بس اس کے بعد ہونے والی پرواز سے ... غالباً تین دن بعد ۔''

''ضرور جمشید ۔'' وہ مسکرائے ۔

''اچھا خدا حافظ ۔'' پروفیسر صاحب نے کہا۔

پھر باری باری انہوں نے سب سے ہاتھ ملائے ...

شائستہ کو گلے لگاتے ہوئے وہ رو پڑے ... ادھر شائستہ کی ہچکی بندھ گئی۔

اس وقت انسپکٹر جمشید کے الفاظ ان سب کو چونکا گئے۔

☆☆☆☆☆

مجھے افسوس ہے

"پروفیسر صاحب ... جس دشمن نے ہمیں رلایا ہے وہ روئے بغیر نہیں رہے گا، میں وہاں ضرور آؤں گا چاہے اس کے لیے مجھے اپنی جان کی بازی کیوں نہ لگانی پڑے، چاہے مجھے دشمن کی تلاش میں سات سمندر کھنگالنے پڑیں، چاہے دنیا کے تمام براعظم چھاننے پڑے، میں اسے نہیں چھوڑوں گا، آپ کو اپنے ملک کی سرزمین پر لاؤں گا، آپ کا دشمن بھی آپ کی سرزمین پر آپ کے قدموں میں آئے گا ... اللہ نے چاہا تو ... اللہ نے چاہا تو۔" یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

وہ دھک سے رہ گئے۔

آج دنیا کے مضبوط ترین انسان، دلیر ترین انسان، طاقتور ترین اعصاب کے مالک انسان کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے ... اس لیے کہ آنسو ان سب چیزوں سے زیادہ طاقتور ہیں ... آنسوؤں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، شاید بہادر سے بہادر انسان بھی نہیں ...

پروفیسر داؤد بے چین ہوگئے ...

تڑپ کر انسپکٹر جمشید کی طرف لپکے اور ان سے لپٹ گئے ...

انسپکٹر جمشید کو ایک جھٹکا لگا... جیسے وہ اپنے آپ میں آ گئے ہوں۔
انہوں نے فوراً آنسو پونچھ ڈالے، چہرے پر مسکراہٹ لے آئے، پھر پرسکون آواز میں ان کے منہ سے نکلا۔

"یہ میں مسکرا رہا ہوں... میری آنکھوں میں آنسو نہیں ہیں۔"

"شکریہ جمشید۔" انہوں نے کہا اور ایک بار پھر ان کے گلے سے لگ گئے... پھر ایک جھٹکے سے الگ ہو کر جہاز کے دروازے کی طرف چلے گئے... دروازے سے گزرتے ہوئے وہ چلے... شائستہ کو یوں لگا جیسے اس کے جسم سے جان نکلی جا رہی ہو لیکن اس نے خود کو اپنے پیروں پر کھڑے رکھا... وہ گری نہیں...

اور پھر پروفیسر آگے بڑھ گئے... جہاز کا دروازہ بند ہو گیا۔

جلد ہی جہاز فضا میں تھا... ان کے سر اوپر اٹھتے چلے گئے... یہاں تک کہ جہاز نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس وقت وہ بوجھل دل لیے واپس ہوئے۔ کسی کا کوئی بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا...

سب سے زیادہ خراب حالت شائستہ کی تھی... بیگم جمشید نے اسے سہارا دے رکھا تھا... ورنہ اس سے تو چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔

آخر وہ ایئرپورٹ سے باہر آ گئے۔

تجربہ گاہ میں پہنچ کر بیگم جمشید وغیرہ کو انسپکٹر جمشید کے دوست کے ہوٹل بھیج دیا گیا۔ اب انہیں اکٹھے ہی رہنا تھا۔

"میرا خیال ہے انسپکٹر کامران مرزا کو بلانا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے

سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں ابا جان... یہ تو بہت ہی اچھا رہے گا۔" فرزانہ بولی۔

انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کے نمبر ڈائل کیے... ان کا فون بند تھا... باقی سب کے بھی ڈائل کیے... لیکن کسی کا فون آن نہیں تھا... آخر انہوں نے گھر کا نمبر ڈائل کیا... گھر کے فون کی گھنٹی بجتی رہی... لیکن کسی نے فون نہ اٹھایا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

اب انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کے ڈی آئی جی سے رابطہ کیا۔
ان کی آواز فوراً سنائی دی۔ "انسپکٹر جمشید... خیر تو ہے۔"

"انسپکٹر کامران مرزا سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔"

"اوہو اچھا، مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہیں، پتا کر کے بتاتا ہوں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"جی بہتر!"

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے۔

"پروفیسر شہابی... اس آواز کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال ہے کوئی سیارہ یا کوئی راکٹ شہر کے اوپر سے گزرتا ہے تب یہ آواز آتی ہے، لیکن یہ آواز صرف دو مرتبہ آئی ہے... پروفیسر داؤد نے بھی یہی خیال قائم کیا تھا کہ کوئی سیارہ یا راکٹ گزرا ہے... اس کا راز جاننے کے لیے ہی انہوں نے مجھے یہاں بلایا تھا

لیکن افسوس ہمیں تو مل بیٹھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔“

”آپ چاہیں تو تجربہ گاہ میں رہ کر اس سلسلے میں اپنا کام جاری رکھیں، کیا خبر آپ کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔“

”میں یہاں کے آلات کا جائزہ لے کر ہی فیصلہ کر سکوں گا... اگر یہاں ٹھہرنا مفید محسوس ہوا تو ٹھہر جاؤں گا ورنہ اپنی تجربہ گاہ میں رہ کر کام کروں گا۔“

ایسے میں فون کی گھنٹی بجی...

فون مشرقی حصے کے ڈی آئی جی صاحب کا تھا...

”ان کا کوئی پتا نہیں۔“ وہ کہہ رہے تھے۔

”حیرت ہے۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ویسے میں کوشش کر رہا ہوں... معلوم ہوا تو ضرور بتاؤں گا۔“

”بہت بہت شکریہ سر۔“

انہوں نے فون بند کیا تو ان کے چہرے لٹک چکے تھے کیونکہ یہ خبر سن کر ان کی پریشانی اور بڑھ گئی تھی۔

”بھئی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... اگر وہ بغیر اطلاع غائب ہیں تو اس کی ضرور کوئی وجہ ہو گی... بہت جلد ان کے بارے میں اطلاع ملے گی۔“

”انشاء اللہ!“ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

”سوال یہ ہے ابا جان... اب ہم کیا کریں۔“

”ہم پروفیسر کے تعاقب میں ایکورم جائیں گے لیکن۔“ وہ کہتے کہتے رک گئے...

”لیکن کیا؟“

”لیکن... پہلے ہم وہاں کی اطلاع لیں گے۔“

”وہاں کی اطلاع سے آپ کی کیا مراد ہے۔“

”جونہی مجھے معلوم ہوا تھا کہ پروفیسر کو ایکورم بھیجنا ہو گا تو میں نے وہاں موجود اپنے ملک جاسوسوں سے رابطہ کیا تھا... اب جونہی جہاز ایکورم پہنچے گا، پروفیسر داؤد کو ائرپورٹ سے باہر لایا جائے گا تو وہ وہاں ان کا تعاقب کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں گے لہٰذا معلوم ہو جائے گا کہ ایکورم میں انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔“

”ابا جان ایکورم جہاز کس وقت پہنچے گا۔“

”نو گھنٹے بعد۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”اس طرح تو یہ لوگ جب جی چاہے یا جب انہیں ضرورت پڑے گی... ہم سے کوئی بات بھی منوا لیا کریں گے یعنی یہ دھمکی دے کر ہم فلاں عمارت زمین میں دھنسا دیں گے۔“

”معلوم کرنا ہو گا کہ یہ عمارت کو زمین میں کیسے دھنساتے ہیں۔“

”اوہ!!!“

”یہی نہیں... ہم ایک اور رخ سے ان پر وار کریں گے۔“

”اور وہ کیا۔“

"ابھی نہ پوچھو ..."

"چلیے نہیں پوچھتے۔" فاروق اداس انداز میں مسکرایا۔

"میں ذرا آلات کا جائزہ لے لوں۔" اسی وقت پروفیسر شہابی اٹھتے ہوئے بولے۔

"محمود ... تم انہیں اندر لے جاؤ۔"

"جی اچھا!" محمود نے کہا اور پروفیسر شہابی کو لے کر چلا گیا۔

"ویسے ابا جان ... ہمیں بھی اس آواز کو سننا چاہیے تھا۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں اس کی ضرورت ہے۔" خان رحمان نے فوراً تائید کی۔

"ٹھیک ہے، ہم پروفیسر شہابی صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ریکارڈ کی ہوئی آواز سنوا دیں گے۔"

اسی وقت محمود واپس آ گیا۔

"آؤ چلیں ... پہلے آواز سن لیں ... پھر یہاں آ کر بیٹھیں گے۔"

"جی کیا مطلب ... آواز سن لیں؟" وہ چونکا۔

"بھئی جس آواز سے یہ چکر شروع ہوا تھا ہم نے تو وہ سنی ہی نہیں ... پروفیسر شہابی صاحب ہمیں وہ آواز سنوا سکتے ہیں۔"

"اوہ !!!" محمود نے کہا۔

وہ سب اس کمرے میں آئے جس میں اسوقت پروفیسر موجود تھے۔ وہ آلات کا جائزہ لے رہے تھے، ان کی قدموں کی آواز سن کر

مڑے اور حیرت سے بولے: "خیریت؟"

"ہم نے وہ آواز نہیں سنی ... آپ ہمیں سنوا سکتے ہیں نا۔"

"ہاں کیوں نہیں ... میرے پاس اس کی ریکارڈنگ ہے ... ریکارڈنگ میں اسے کئی گنا بڑا کیا گیا ہے۔"

"بہت خوب۔"

اور پھر انہوں نے اس آواز کو سنا ... بہت باریک اور پراسراری آواز تھی ... اسے سن کر سنسنی کا احساس ہوتا تھا۔

"یہ ضرور کسی خفیہ راکٹ کی آواز ہے جو ہمارے ملک کی فضا سے گزرا ہے۔"

"اس کا بھی سراغ لگا لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

وہ پروفیسر شہابی کو وہاں چھوڑ کر واپس آ گئے اور بات چیت میں مشغول ہو گئے ... یہاں تک کہ جہاز کے پہنچنے کا وقت ہو گیا...

"جہاز اب ایکورم پہنچ چکا ہے ... اور جلد ہی میرے آدمیوں میں سے کسی کا فون آنے والا ہے۔"

"ہم بے چینی سے اس فون کا انتظار کر رہے ہیں۔" محمود نے کہا۔

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ سب لوگ انتظار کی کیفیت میں آ گئے اور یہ کافی بے چینی کے لمحات تھے ...

"لگتا ہے وقت تھم گیا ہے۔" فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"وقت تو نہیں تھما، ہمارے دل و دماغ تھم گئے ہیں۔" فاروق نے

منہ بنایا۔

"بھلا دل اور دماغ بھی کبھی تھمے ہیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"پتا نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"تمھیں کسی بات کا پتا ہوتا بھی ہے ... ہر بات کے جواب میں کہہ دیتے ہو پتا نہیں۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔

"پتا نہیں کہنا ہی بہتر ہے ... جس بات کا علم نہ ہو، اس کے جواب میں فوراً کہہ دینا چاہیے ... پتا نہیں۔" فاروق نے ہنس کر کہا۔

"یہ بات تو خیر فاروق نے بالکل درست کہی۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً اس کی تائید کی۔ ایسے میں موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔

وہ سب چونک اٹھے۔ انہوں نے دیکھا، فون ایکورم سے تھا۔

انسپکٹر جمشید نے بٹن دبا دیا۔

"گیری کیا رپورٹ ہے ... پروفیسر کو کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے سر ... بلکہ ہم سب کو ..."

"افسوس ہے ... کس بات پر۔"

مارے پریشانی کے ان کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆

پہلی الجھن

"یس سر۔" ادھر سے کہا گیا۔

"کس بات پر افسوس ہے۔" انہوں نے بھنا کر کہا۔

"ہم پروفیسر داؤد کا سراغ کھو بیٹھے ہیں۔"

"کیا !!!" وہ چلائے: "لیکن کیا تم تعاقب نہیں کر سکے۔"

"تعاقب کرنے کی نوبت ہی نہیں آ سکی۔"

"کیا ... میں سمجھا نہیں۔"

"سر! آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی ... انہیں ائرپورٹ سے باہر لایا ہی نہیں گیا ... یا تو اندر ہی رکھا ہوا ہے یا کسی اور راستے سے ... بلکہ خفیہ راستے سے لے جایا گیا ہے۔"

"نہیں۔" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اچھا خیر فی الحال تم غائب ہو جاؤ ... ایسا نہ ہو کہ پروفیسر داؤد کے چکر میں تم لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا جائے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا ... انہوں نے سب پر نظر ڈالی۔

"اب کیا ہو گا۔" فرزانہ کی آواز سرسرائی۔

"یہ معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔"

"ہوں !" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"آؤ گھر چلیں۔"

وہ سب گھر آگئے ... اندر آنے کے بعد انہوں نے بیگم جمشید کو فون کیا... فوراً ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔ "السلام علیکم۔"

"بیگم تم ان سب کو گھر لے آؤ۔"

"جی اچھا۔"

جلد ہی بیگم جمشید، بیگم خان رحمان، شائستہ، حامد، سرور اور ناز گھر آپہنچے۔ اب وہ سب لائبریری میں آبیٹھے۔

"انکل کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت کو ان سنگین حالات میں انہیں ساتھ ہونا چاہیے تھا۔" فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"ہونا تو چاہیے تھا لیکن اب کیا کیا جائے۔"

"لیکن وہ ایسا کرتے تو نہیں۔"

"ہوسکتا ہے مہلت ہی نہ ملی ہو۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"چلیے اس وقت مہلت نہیں ملی تو ... بعد میں تو کر سکتے تھے۔"

"اب آپ کا پروگرام کیا ہے ابا جان۔" محمود نے پوچھا۔

"ہمیں پروفیسر صاحب کی تلاش میں ایکورم جانا چاہیے۔"

"فرض کیا ہم انہیں تلاش کر لیتے ہیں ... اور انہیں لے بھی آتے ہیں تو کیا فائدہ ... وہ پھر ہمارے ملک کی اہم ترین عمارتوں کو تباہ کرنے

کی دھمکی دے دیں گے پھر ..." فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو ... ہمیں سوچنا ہوگا، غور کرنا ہوگا کہ ہم سے کہاں کوئی بھول ہوئی ہے۔"

"پروفیسر شہابی ائرپورٹ کے قریب سڑک کے کنارے بیہوش پائے گئے ... سڑک پر بیہوش کیوں پائے گئے ... اس کیس میں یہاں الجھن موجود ہے، پہلے اس الجھن پر بات کر لیتے ہیں، پھر دوسری الجھن کی طرف بڑھیں گے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہوگئے۔

"جی کیا کہا ... دوسری الجھن ؟" فاروق نے حیران ہوکر کہا۔

"ہاں تو کیا دوسری الجھن نہیں ہوسکتی اس کیس میں۔" محمود نے اسے گھورا

"ہونے کو دوسری کیا، تیسری اور چوتھی الجھن بھی ہوسکتی ہے ... میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ دوسری الجھن تو کسی ناول کا نام ہوسکتا ہے۔"

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"اب ادھر ادھر کی باتوں کی بجائے اس پر بحث ہو جائے کہ کیا ہوا ہوگا اور کیسے ہوا ہوگا۔" یہاں تک کہہ کر وہ پھر خاموش ہوگئے۔

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ابا جان۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ہاں کہو ... محمود۔" انہوں نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ جب وہ انہیں سڑک پر چھوڑ کر جا رہا تھا تو کسی نے اسے ایسا کرتے دیکھا کیوں نہیں۔"

"ہاں وہ سڑک کوئی ایسی بے آباد جگہ تو ہے نہیں، اس وقت یوں بھی جہاز سے اترنے والے مسافر وہاں سے گزر رہے تھے۔" فاروق نے اس کی تائید کی۔

"تو پھر تمہارے خیال میں کیا ہوا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر فرزانہ کی طرف دیکھا۔

"جو آدمی سہارا دے کر انہیں باہر لایا... اس نے انہیں سڑک پر نہیں چھوڑا کیونکہ ایسا کرتے ہوئے اسے کوئی دیکھ لیتا بلکہ اس نے ایک ٹیکسی کو روکا اور وہی انہیں ہسپتال لے کر گیا... بس وہاں ان نے بیان دے دیا کہ یہ سڑک پر پڑے تھے... ادھر انہوں نے ہوش میں آکر پروفیسر صاحب کو فون کیا اور اس شخص کے قول کے مطابق یہی بتایا کہ انہیں سڑک پر بے ہوش پایا گیا ہے۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"ہاں لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ میں جہاز سے نکلنے کے لیے کافی فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے اور ایک نیم بے ہوش آدمی کو سہارا دے کر چلانا ممکن نہیں ہوتا... دو چار قدم چلا لیتا اور بات ہے لیکن باہر سڑک تک لانا ممکن نہیں... اس کے لیے تو یہ زیادہ آسان تھا کہ انہیں ائرپورٹ کے عملے کی مدد سے باہر لاتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا... آخر کیوں۔"

"یہ تو وہی شخص بتا سکتا ہے اور وہ غائب ہے۔" محمود نے کہا۔

"ایک منٹ..." فرزانہ نے کسی خیال کے تحت چونک کر کہا۔

"ہاں کہو فرزانہ۔"

"ہسپتال کے لوگ کسی زخمی یا بے ہوش کو لانے والے کو ایسے ہی فارغ نہیں کر دیتے... اس کا نام پتا نمبر نوٹ کرتے ہیں... ہم نے اس شخص کا پتا نہیں کیا۔"

"اچھا خیال دلایا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے... سلسلہ ملنے پر ہدایات دیں اور موبائل بند کر دیا۔

"اب بتائیں... اس کیس میں دوسری الجھن کیا ہے۔"

"دوسری الجھن یہ ہے کہ خطرے کے پیشِ نظر ہم اکرم نیازی صاحب کے گھر جا ٹھہرے تھے، پھر وہاں سے بھی ایک ہوٹل چلے گئے تھے... اس کے فوراً بعد دشمن نے اکرم نیازی کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا... جب کہ ہمارا پہلے سے تو وہاں ٹھہرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا تو دشمن نے اسی گھر کو نشانہ کیوں بنایا... ہمارے کسی گھر کو زمین میں کیوں نہ دھنسا... آخر کیسے اور اکرم نیازی ہی کا کیوں... ہمارا اپنا کوئی گھر کیوں نہیں۔" یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

"اس کا جواب نہیں سوجھ رہا۔" محمود نے بیچارگی کے عالم میں کہا۔

"خود میرا بھی یہی حال ہے۔" فاروق نے کہا۔

"میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔"

"جب کہ اس سوال کا جواب میری سمجھ میں آتا ہے۔"

"تو پھر آپ بتا دیں۔"

"دشمن چاہتا ہے ہم اپنے ہی شہر میں بالکل بے بس ہو جائیں، کوئی ہمیں پناہ دینے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اگلا قدم اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ جو ہم کو پناہ دے گا ... اسی کا مکان زمین دھنس جائے گا۔"

"اوہ ... اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیونکہ اخبارات میں مکان زمین میں دھنسنے کی خبر تو چھوٹی خبر نہیں ہو گی ... یہ تو ایک عجوبہ خبر ہو گی اور پھر یہ بات منظرِ عام پر آئے گی کہ اس مکان میں انسپکٹر جمشید نے پناہ لی تھی۔"

"لیکن ابا جان ... ایک تیسری الجھن بھی تو ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں تیسری الجھن، تیسری یہ ہے کہ مکان کو زمین میں دھنسانے کے لیے آخر کس چیز سے کام لیا گیا، جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا، ہم ان کے اس حربے کا کوئی توڑ نہیں کر سکیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں ... یہ الجھن واقعی بہت بڑی ہے۔"

کھانے سے فارغ ہو کر سب لوگ خان رحمان کی گاڑی میں سوار ہو کر ایک بار پھر تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت رات کے گیارہ بج چکے تھے ... خیال تھا کہ پروفیسر سو گئے ہوں گے، لیکن پہرے داروں نے بتایا کہ وہ جاگ رہے ہیں۔

اب وہ اندر کی طرف بڑھے ... تجرہ گاہ کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور اندر پروفیسر شہابی کرسی پر بیٹھ کر کچھ لکھ رہے تھے ...

انہیں آتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے ...

"کہیئے کوئی خبر ملی پروفیسر داؤد کی ..." ان کے منہ سے نکلا۔

"جی نہیں ... البتہ معلوم کرنے کے چکر میں ہیں ... آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ شاید ہم آگے بڑھنے کا کوئی راستہ تلاش کر سکیں۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں ... بتائیں۔"

"الجھن یہ ہے کہ دشمن عمارتوں کو زمین میں کیسے دھنسا دیتا ہے۔"

"اس کے لیے تو انہوں نے کوئی نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔"

"کیا آپ کسی ایسے طریقے کے بارے میں جانتے ہیں۔"

"میں ... نہیں ... میں نہیں جانتا۔" وہ ہکلائے۔

عین اس لمحے موبائل کی گھنٹی بجی۔

انہیں یاد آیا کہ اکرام کے ذمے کام لگایا تھا ...

فون اسی کا تھا ... انہوں نے سنا، وہ کہہ رہا تھا۔

"اس شخص کا نام پتا مل گیا ہے سر۔"

"بہت خوب ... جلدی بتاؤ۔"

"اس کا نام ہے فواد نامی ... پتا ہے 315 رضوان ٹاؤن ... اور موبائل نمبر بھی نوٹ کر لیں۔"

انہوں نے نام پتا اور موبائل نمبر نوٹ کرنے کے بعد ڈائل کیا۔

جلد ہی جواب ملا۔ "جی فرمایئے ... فواد بات کر رہا ہوں۔"

"میرا نام انسپکٹر جمشید ہے ... آپ نے آج ایک صاحب کو بیہوشی

کی حالت میں ہسپتال پہنچایا تھا ... کیا یہ بات ٹھیک ہے۔''

'' جی ہاں بالکل۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

'' آپ بہت اچھے آدمی ہیں ... ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں، کیا آپ اس وقت اپنے گھر پر ہیں۔''

'' جی ہاں !''

'' ہم آرہے ہیں ... آپ گھر پر ہی ٹھہریں۔''

'' جی اچھا۔'' اس کی پریشان کن آواز سنائی دی۔

جلد ہی وہ اس کے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے اور اس بات پر حیران ہو رہے تھے کہ ڈرائنگ روم بہترین انداز میں سجا ہوا تھا ... گویا وہ شخص باذوق بھی تھا۔

وہ خاموشی سے اس کا جائزہ لیتے رہے ... ادھر وہ کافی پریشان نظر آرہا تھا ... آخر جب انہوں نے کچھ نہ کہا تو اس کے ہونٹ ہلے :

'' کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔''

'' نہیں ایسی کوئی بات نہیں، آپ نے تو اچھا کام کیا ہے۔''

'' تب پھر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔''

'' اس واقعے کی تفصیل چاہتے ہیں ... وہ صاحب آپ کو کہاں ملے تھے۔''

'' ائرپورٹ کی سڑک پر۔''

'' آپ وہاں کیوں گئے تھے۔''

'' گیا نہیں تھا آیا تھا ... میں بھی فلائٹ سے اترا تھا۔''

'' اوہ پھر تو آپ وہی ہیں جس نے انہیں چکر آنے پر ایئرپورٹ لاؤنج میں سہارا دیا تھا۔''

'' جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

'' آپ کا مطلب ہے ... آپ نے انہیں سہارا نہیں دیا تھا۔''

'' بالکل نہیں ... تو کیا انہیں چکر آیا تھا اور کسی نے سہارا دیا تھا۔''

'' ہاں ... انہوں نے ہوش میں آنے پر یہی بتایا تھا۔''

'' تب پھر انہیں کسی اور نے سہارا دیا ہو گا لیکن وہ انہیں سڑک پر چھوڑ کر کیوں چلا گیا ... اسے تو چاہیے تھا انہیں ہسپتال پہنچاتا۔''

'' آپ نے انہیں بے ہوش پڑے ہوئے دیکھا تو کیا کیا۔''

'' ٹیکسی پکڑی اور انہیں ہسپتال لے آیا، انہوں نے میرا نام پتا شناختی کارڈ نمبر اور موبائل نمبر نوٹ کیا اور جانے کی اجازت دے دی۔''

'' اوہ اچھا ... اگر ہم آپ کے گھر کی تلاشی لیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گی۔'' انسپکٹر جمشید نے اچانک کہا۔

'' جی کیا مطلب ؟'' مارے پریشانی کے اس نے کہا۔

'' ہم آپ کے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں، اگر آپ کو کوئی اعتراض ہو تو آپ بتا سکتے ہیں۔''

'' جی ... جی نہیں ... جی کوئی اعتراض نہیں۔''

'' شکریہ !!!''

اور پھر ان محمود فاروق فرزانہ نے گھر کی تلاشی شروع کی ...
انسپکٹر جمشید اور خان رحمان وہیں بیٹھے رہے تھے جبکہ خو د فواد نامی
ان کے ساتھ چلا گیا۔

آدھ گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی۔

آخر انہوں نے فواد نامی سے اجازت لی اور باہر آگئے ...

اس وقت انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے ... سلسلہ ملتے ہی
انہوں نے کہا۔ ”اکرام، فواد نامی کی نگرانی شروع کر دو لیکن اسے ذرا
بھی شک نہ ہو۔“

”یس سر۔“ اکرام کی آواز سنائی دی ...

فون بند ہونے پر فرزانہ نے کہا۔

”ہم نے ایک چیز کی طرف توجہ نہیں دی۔“

”اور وہ کیا فرزانہ۔“

”انکل اکرم نیازی کا مکان۔“

”اس کا کیا کرنا ہے۔“

”کیا وہ اسی طرح زمین میں دھنسا رہ جائے گا۔“

”ہاں ہمیں اس کا معائنہ کرنا ہوگا ...“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”اس طرح شاید ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اسے زمین
میں دھنسانے کا کون سا طریقہ اختیار کیا ہے۔“ فرزانہ نے کہا۔

”لگتا ہے تم جلد از جلد یہ کام شروع کرنا چاہتی ہو۔“

”جی ہاں اس لیے کہ مجھے ایک مضمون یاد آ رہا ہے، آپ ماہرین
سے جلد از جلد اس جگہ کی کھدائی شروع کرائیں ... میں لائبریری میں جا
کر وہ رسائل تلاش کرنا چاہتی ہوں ... میں نے پڑھا تھا کہ کسی ملک میں
ایک مکان دس نٹ کی گہرائی تک زمین میں دھنس گیا لیکن ایسا خود بخود
نہیں ہوا، کسی نے ایک تجربہ کیا تھا ... اس کے نتیجے میں ایسا ہوا تھا۔“

”اوہ !!!“ ۔“ انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”تب تو ہمیں فوراً لائبریری کا رخ کرنا چاہیے۔“

”ہاں میں بھی ساتھ ہی چلتا ہوں کیونکہ یہ کام سب سے زیادہ
ضروری ہے ... اس مکان کے سلسلے میں یہ کام ماہرین کے ذمے لگا
دیتے ہیں۔“

راستے میں ہی انہوں نے اکرم نیازی کے مکان کے بارے میں
بات کی ...

اور پھر وہ گھر پہنچ گئے اور لائبریری میں آکر قالین پر بیٹھ گئے ...
انہیں جب بھی مطالعہ کرکے کسی چیز کو تلاش کرنا پڑتا تھا، صوفوں یا
کرسیوں کی بجائے نیچے بیٹھنا پسند کرتے تھے ...

فرزانہ نے یادداشت کے بل پر رسالے کو تلاش کرنا شروع کیا۔

”اس سے بہتر ہے تم ہمیں بھی بتا دو وہ رسالہ کیا تھا، انگریزی تھا
یا اردو ... اس کا رنگ روپ کیا تھا۔“

”اس کی جلد سیاہ رنگ کی ہے، انگریزی میں ہے، نام میں بھول

چکی ہوں ... کافی مدت پہلے وہ مضمون پڑھا تھا۔''

''چلو اتنا بھی کافی ہے۔''

ان سب نے سیاہ جلد والے رسالے کی تلاش شروع کر دی۔

آخر پندرہ منٹ کے بعد فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

''وہ مارا ... یہ رہا۔''

اب وہ ایک ساتھ اس پر جھک گئے اور اپنے سر ٹکرا بیٹھے ... یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید کے سر پر بھی چوٹ لگی، لیکن انہوں نے پروا نہ کی اور مضمون تلاش کرنے لگے ... رسالہ دو سو صفحات سے زیادہ کا نہیں تھا اور پھر فرزانہ نے صفحے پر نشان لگایا ہوا تھا، اس لیے فوراً ہی وہ مضمون مل گیا ... انہوں نے جلدی جلدی اس کا مطالعہ کیا اور پھر ان کی سٹی گم ہو گئی۔

ایک دو فٹ لمبے راکٹ کے ذریعے ایک بے آواز لیزر شعاع اس عمارت کے کونے پر فائر کی گئی تھی ... لیزر نے مکان کی بنیادوں کو بھربھرا دیا تھا، مکان کے اطراف اور عین نیچے چالیس فٹ گہرائی تک کے پتھروں کو ریت کے ذرات میں تبدیل کر دیا تھا اور سخت بنیاد نرم بھربھری مٹی میں تبدیل ہو جانے سے مکان اپنے ہی بوجھ تلے تیس فٹ تک اندر دھنس گیا تھا یعنی زمین کی سطح سے بھی دس فٹ تک نیچے ... اب اگر اس سے بڑا تجربہ کیا جاتا تو یہ تباہی پھیل بھی سکتی تھی ...

''اس کا مطلب ہے ... ہمارے شہر سے جب وہ راکٹ گزرا تو

اس سے نکلنے والی آواز آلات پر سنی گئی تھی اور اس راکٹ سے وہ لیزر بم نما چیز گرائی گئی تھی، جس نے اسے زمین کو دھنسا دیا۔'' محمود نے جلدی جلدی کہا۔

''ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب ہم نے آواز سنی، اسی وقت وہ لیزر گرایا گیا کیونکہ ہم نے آواز پہلے سنی تھی، مکان بعد میں دھنسا تھا۔''

''بہرحال اس آواز کا اور مکان کے دھنسنے کا تعلق ضرور ہے ... ہمیں اب پروفیسر شہابی صاحب کو یہیں بلانا ہو گا۔'' انسپکٹر جمشید نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

اب انہوں نے اکرام کو ہدایات دیں۔ پھر پروفیسر شہابی سے رابطہ کیا اور انہیں یہ فرزانہ کی دریافت سے آگاہ کیا ...

پھر جلد ہی اکرام پروفیسر شہابی کو لے کر وہاں پہنچ گیا

''ہاں انسپکٹر جمشید اب بتائیں ... کیا بات سامنے آئی ہے۔''

''وہ جو آواز آپ نے سنی تھی ... وہ ایک راکٹ کی تھی ... اس راکٹ سے گرایا گیا لیزر بم تھا جس کے ذریعہ ایک مکان کو زمین میں دھنسایا گیا ...''

''اور یہ باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں۔''

''یہ دیکھئے ... یہ رہا معلومات کا ذریعہ۔''

انہوں نے رسالہ ان کے سامنے رکھ دیا ... پروفیسر شہابی حیرت زدہ انداز میں اس کا مطالعہ کرنے لگے۔ جوں جوں وہ مطالعہ کر رہے تھے

ان کی حیرت میں اضافہ ہو رہا تھا... آخر انہوں نے مضمون پڑھ کر ان سب پر ایک نظر ڈالی... پھر کہنے لگے:

"یہ تو بہت خطرناک معاملہ ہو گیا، ہمارے پاس تو اس کا کوئی توڑ بھی نہیں... ہاں اس رسالے کے اس سے بعد والے اور اس سے پہلے والے شمارے ہوں گے یہاں۔" پروفیسر صاحب نے پوچھا۔

"ہونے تو چاہییں۔"

"نکالیں... انہیں۔" انہوں نے کہا۔

جلد ہی چھ سات رسالے نکال کر ان کے آگے رکھ دیے گئے۔

وہ لگے ان رسالوں کو باری باری دیکھنے...

ایسے میں ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

"اُف یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

عین اس لمحے ان کے دروازے کی گھنٹی بجی۔

☆☆☆☆☆

تصاویر

انہوں نے فوراً ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں "یہ اس وقت کون آ گیا..."

پھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔ "محمود تم دیکھو کون ہے اور میجک آئی سے دیکھ لینا پھر دروازہ کھولنا۔"

"جی ابا جان۔" یہ کہہ کر محمود باہر نکل گیا۔ جلد ہی واپسی ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں بڑا سا لفافہ تھا اور کچھ وزنی بھی لگ رہا تھا۔

"تو کیا باہر ڈاکیا تھا... لیکن اس کی دستک اس قدر جاہلانہ تو نہیں ہوتی اور پھر اس کا انداز تو ہمیں معلوم ہے۔"

"ڈاکیا نہیں تھا لیکن کسی نے اس سے ڈاکیے والا کام لیا تھا، وہ سڑک کے کنارے کھڑا کوئی بھکاری تھا اور کسی نے اسے یہ لفافہ دے کر کہا تھا: "یہ لفافہ اس گھر میں دے آؤ... ساتھ ہی اسے پچاس روپے کا ایک نوٹ بھی تھما دیا تھا۔"

"اوہ... تم بھی اس بے چارے بھکاری کو کچھ دے دیتے۔"

"پچاس روپے میں نے بھی دے دیے ہیں۔"

"بہت خوب ، اور اس میں ہے کیا۔"

"یہ ہم ابھی دیکھیں گے۔" یہ کہہ کر محمود نے لفافہ چاک کر ڈالا۔ اس میں جھانکا تو بڑے سائز کی تصاویر نظر آئیں۔

"اس میں تو تصویریں ہیں۔"

"تصویریں !!!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں۔" یہ کہتے ہوئے محمود نے لفافہ قالین پر الٹ دیا۔

ان کے سامنے بہت سی تصاویر بکھر گئیں۔ تصاویر مختلف عمارات کی تھیں... پھر وہ چونک اٹھے کیونکہ ان میں سے ان کے اپنے گھر کی تصویر بھی تھی ... اکرم نیازی صاحب کے گھر کی تصویر بھی تھی ...

ایوان صدر ، تجربہ گاہ اور دوسری اہم عمارات کی تصاویر بھی ان میں موجود تھیں۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"لگتا ہے یہ تصاویر بہت زیادہ اونچائی سے لی گئی ہیں جیسے کسی جہاز سے ، لیکن یہ اس طرح واضح اور صاف ہیں جیسے عمارتوں کے بالکل نزدیک سے لی گئی ہیں۔ لیکن ان سب سے عجیب بات یہ ہے کہ عمارات کا اندرونی حصہ بھی ایسے نظر آ رہا ہے جیسے یہ تمام عمارات شیشے کی ہوں جب کہ اصل میں ایسا نہیں ہے ... عمارات تو معمول کے مطابق ، سیمنٹ، ریت اور بجری کی ہی بنی ہوئی ہیں ... اس کا مطلب ہے کوئی ایسا کیمرہ ایجاد ہو چکا ہے جو عمارات کے اندر تک کی تصاویر لے لیتا ہے اور جہاز کی اونچائی سے بھی اتنی ہی صاف تصاویر لے لیتا ہے جتنا

کہ پاس سے لی گئی تصویر ... لیکن سوال یہ ہے کہ وہ ہمیں تصاویر دکھا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"ارے یہ دیکھئے ..." فرزانہ چونک پڑی ... اس کی آواز میں لرزش تھی کیونکہ ان تصاویر میں ان کے پڑوسی اکرم نیازی کے گھر کی تصویر بھی موجود تھی اور وہ مکان اس وقت زمین پر موجود نہیں تھا۔ زمین میں دھنس چکا تھا ، مطلب یہ تھا کہ یہ تصاویر اس وقت کی ہیں جب وہ ابھی زمین میں نہیں دھنسا تھا گویا تصاویر بھیجنے والا کہنا چاہتا تھا کہ ہم ان میں سے جس گھر کو چاہیں دھنسا سکتے ہیں ...

"ان تصاویر میں ایک خط بھی نظر آ رہا ہے ابا جان۔"

"ٹھیک ہے ... خط پڑھو محمود۔"

محمود نے خط پڑھنا شروع کیا ، لکھا تھا:

"پروفیسر داؤد اور پروفیسر شہابی نے جو آواز سنی وہ ایک ایک ڈرون نما راکٹ کی تھی ... آواز سے زیادہ تیز رفتار ڈرون کی ... ہمارا یہ ڈرون اس شہر کی ہر چیز کی تصویر لے سکتا ہے ... یہاں تک کہ سوئی جتنی کسی چیز کی تصویر بھی بالکل صاف لے سکتا ہے ... اور اتنی ہی آسانی سے ہم اس عمارت کو نشانہ بنا سکتے ہیں ، زمین میں دھنسا سکتے ہیں۔ اب تم سوچ لو کہ تم کہاں کھڑے ہو۔"

محمود یہاں تک پڑھ کر خاموش ہو گیا ... پھر اس نے کہا:

انسپکٹر جمشید کے چہرے پر گہری پریشانی کے آثار تھے۔
آخر انہوں نے صدر صاحب کے نمبر ملائے ...
دوسری طرف سے فوراً ہی کہا گیا: ''ہاں جمشید۔''
انہوں نے ساری تفصیل کہہ سنائی... ان کے خاموش ہو جانے کے بعد بھی کئی سیکنڈ تک صدر صاحب کچھ نہ کہہ سکے۔
پھر ان کی آواز سنائی دی: ''یہ لوگ کہتے کیا ہیں۔''
''یہ ابھی انہوں نے نہیں بتایا لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد ہی ان کا فون آئے گا۔''
''تم نے ٹھیک کہا جمشید ... ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔''
''جی بہتر ... کیا آپ کانفرنس لائن پر رہ سکتے ہیں۔''
''ہاں میں ساتھ ساتھ سننا پسند کروں گا۔''
''جی بہتر!''
اور پھر آدھے گھنٹے بعد کال آ گئی۔ نمبر اس بار بھی نیا تھا۔
انسپکٹر جمشید نے اسپیکر آن کر دیئے ...
''جی انسپکٹر جمشید صاحب۔'' لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔
''آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔''
''تو تم نے صدر صاحب کو ساری بات بتا دی۔''
''ہاں بتا دی اور اب وہ میرے اور تمہارے درمیان ہونے والی گفتگو ساتھ ساتھ سن رہے ہیں۔''

''اب ہمارا مطالبہ سنو ... اپنے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کر دو۔''
''کیا !!!''
مارے حیرت اور پریشانی کے نہ صرف انسپکٹر جمشید بلکہ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور ادھر صدر صاحب بھی چلا اٹھے۔
انہوں نے گھبراہٹ کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
پھر انسپکٹر جمشید نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
''ہم اس بارے میں مشورہ کر کے بتائیں گے۔''
''اس سے پہلے میری بات سن لو۔''
''ہاں!''
''ہم لوگ تو اس پورے ملک کی جس عمارت کی چاہیں تصاویر لے سکتے ہیں ... اندر تک کی تصاویر، تو ایٹمی پلانٹ کی تصاویر بھلا کیوں نہیں لے سکتے، یہی سوچو گے نا تم لوگ، تو اس کا جواب پہلے ہی سن لو کیونکہ بات اس سے آگے کی ہے، سنو ... اس وقت تمہارے ملک میں جو ایٹمی پلانٹ کام کر رہا ہے جس کے بارے میں سب ہی کو معلوم ہے اور یہ بات کسی سے بھی چھپی ہوئی نہیں کہ وہ پلانٹ کہاں ہے وغیرہ، اس کے بارے میں ہماری معلومات وہ نہیں ہیں جو سب کی ہے۔''
''کیا مطلب۔''
''یہ کہ وہ نام کا ایٹمی پلانٹ ہے۔''
''کیا کہا ... نام کا ایٹمی پلانٹ۔'' مارے حیرت اور خوف کے

سب چلائے۔

'' ہاں نام کا ایٹمی پلانٹ۔'' وہ ہنسا۔

'' یہ ... یہ تو۔'' فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

'' یہ تو کیا۔'' فون پر پوچھا گیا۔

'' یہ تو کسی ناول کا نام ہوسکتا ہے۔''

'' انسپکٹر جمشید۔'' فون پر سخت انداز میں کہا گیا ... '' اپنے بیٹے سے کہو منہ بند رکھو۔''

'' فاروق تم خاموش رہو ... انہیں تمہاری آواز پسند نہیں۔''

'' جی اچھا اب میں نہیں بولوں گا۔'' اس نے فوراً کہا۔

'' ہاں اب کہو۔''

'' بتا چکا ہوں ... اپنا ایٹمی پلانٹ یعنی اصل پلانٹ تباہ کر دو اور یہ کام تم پروفیسر شہابی سے لو گے، اگر پروفیسر داؤد کی زندگی اور اپنے ملک کی اہم ترین عمارات کو بچانا چاہتے ہیں تو یہ مطالبہ ماننا ہو گا ورنہ پورے ملک کی تباہی کا سامنا کرنا ہو گا ... سوچ لو سمجھ لو۔''

'' تم نے کہا تھا ... اصل ایٹمی پلانٹ ... لیکن؟''

'' لیکن ویکن کچھ نہیں، اصل ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنا ہو گا ... جس ایٹمی پلانٹ کے بارے میں سب کو معلوم ہے وہ اصل نہیں نقل ہے، ہمیں اصل ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنا ہے ... سمجھ گئے؟''

'' میں اس اصلی پلانٹ کے بارے میں پہلی بار سن رہا ہوں ... اس

سلسلے میں پہلے صدر صاحب سے بات کرنا ہو گی۔''

'' ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

'' آپ نے سنا ... جناب صدر۔''

'' ہاں سنا ... ہم بری طرح پھنس گئے ہیں ... ان لوگوں نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ ہم جس ایٹمی پلانٹ کو اصل پلانٹ ظاہر کرتے ہیں، وہ اصل نہیں ہے اور اصل پلانٹ کو تباہ کرنے کا نتیجہ کس قدر خوفناک ہو گا یہ ہم سوچ ہی سکتے ہیں ... ہمارا پڑوسی ملک بھی ایٹمی ملک ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے... جب ہم ایٹمی طاقت نہیں تھے وہ ہمیں آنکھیں دکھایا کرتا تھا دھمکیاں دیا کرتا تھا اور ہمارا جینا دوبھر ہو گیا تھا ... پھر ایک سائنس دان نے ملک میں ایٹمی پلانٹ لگایا... کئی برس کی محنت کے بعد پلانٹ تیار ہوا ... پھر انہوں نے ایٹم بم بنائے اور ان کا تجربہ کر کے ساری دنیا کو دکھا دیا، ساری دنیا کو پتا چل گیا کہ اب یہ ملک ایٹمی ملک بن گیا ہے اس دن سے پڑوسی ملک کی دھمکیاں رک گئیں، لہجے کی سختی بھی کم ہو گئی ... دشمن دن رات اس آگ میں جلنے لگا کہ ہم اب اس کی دھمکیوں میں نہیں آتے ... اس وقت سے ہمارا پڑوسی دشمن اسی کوشش میں رہا ہے کہ کسی طرح ہمارا ایٹمی پلانٹ تباہ کر دے سو اس بار یہی منصوبہ بنا کر وہ سامنے آیا ہے ... صورتحال بہت سنگین ہے ... اس سارے معاملے میں خوشی کی بات ہے تو صرف یہ کہ دشمن ہمارے اصل پلانٹ کا سراغ نہیں لگا سکا... ان کا راکٹ چھوٹی سے چھوٹی تصویر

تو لے سکتا ہے اور کسی بھی عمارت پر ننھا منا ایٹم بم تو گرا سکتا ہے لیکن ہمارے ایٹمی پلانٹ کا سراغ نہیں لگا سکتا ... اور اسی بنیاد پر یہ منصوبہ بنایا گیا ہے۔" صدرِ مملکت یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

سب کے دماغ سائیں سائیں کرنے لگے۔

ان سب کے دماغوں میں بس یہی سوال گونج رہا تھا ...

"اب کیا کریں۔"

وہ سب سوچ میں ڈوب گئے کہ دشمن کو کیا جواب دیں۔

ضرورت تھی ایک ایسے جواب کی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے لیکن ایسا جواب انہیں دور دور تک سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ جتنا سوچتے جا رہے تھے اتنا ہی الجھتے جا رہے تھے۔

چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی اور اس تاریکی میں گھٹا ٹوپ تاریکی میں وہ سب غرق تھے ...

ایسے میں انہوں نے صدر صاحب کی خوف میں ڈوبی آواز سنی۔

"نن ... نہیں۔"

☆☆☆☆☆

حل

وہ چونک کر موبائل کی طرف دیکھنے لگے ... صدر صاحب دراصل دوسری طرف موبائل پر تھے ... انہوں نے موبائل بند نہیں کیا تھا۔

"کیا ہوا سر ... خیر تو ہے۔"

"ان کے پاس پروفیسر داؤد ہیں جمشید ... وہ ان سے بھی تو معلوم کر سکتے ہیں کہ اصل پلانٹ کہاں ہے۔"

"ہاں سر ... لیکن اگر وہ ان سے معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوتے تو ہم سے انہیں یہ بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی ... پھر تو بس وہ خود ہی یہ کام کر گزرتے لیکن پروفیسر داؤد اتنے کچے نہیں ہیں، وہ ملک کے لیے جان تو دے سکتے ہیں بتا نہیں سکتے۔"

عین اس لمحے انسپکٹر جمشید کے موبائل کی گھنٹی بجی ... انہوں نے دیکھا ... فون اُسی کا تھا جو ان سے بات چیت کرتا رہا تھا ...

"تم نے ٹھیک کہا انسپکٹر جمشید ... پروفیسر داؤد نے اب تک کچھ نہیں بتایا ... ہمارا خیال تھا یہ شخص بہت کمزور ہے، ذرا سی سختی سے فر فر بتا دے گا لیکن ہمارا خیال غلط ثابت ہوا۔"

"اوہ اوہ ۔" ان سب کے منہ سے نکلا ۔ وہ سناٹے میں آ گئے۔

یہ لوگ تو فون بند ہو جانے کے باوجود ان کی آپس کی بات چیت سن رہے تھے اور یہ ایک اور خوفناک بات تھی۔

"لیکن کیا فائدہ ... نہیں بتائے گا تو ہم عمارتوں کو ڈھانا شروع شروع کر دیں گے۔"

انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے۔

"بس تو انسپکٹر جمشید تم سوچ لو ، صدر صاحب بھی سوچ لیں... اپنے وزرا کو بلا کر بات کر لیں، فوجی سربراہوں کو بلا لیں، ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے ... لیکن انکار کی صورت میں وہی آواز سنو گے جو پروفیسر داؤد نے سنی تھی اور ان سے پہلے پروفیسر شہابی نے سنی تھی..."

"ٹھیک ہے ہمیں سوچنے کی مہلت دی جائے۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

"ضرور ... کوئی مسئلہ نہیں۔"

اب فون بند کر دیا گیا... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"پروفیسر شہابی ... آپ کیا کہتے ہیں۔"

"ہم دونوں طرف سے پھنسے ہوئے ہیں ، ایٹمی پلانٹ تک انہیں راستہ نہیں دیتے تو یہ ہماری اہم ترین عمارات تباہ کرتے چلے جائیں گے اور اس صورت میں ہمارے پلے کیا رہ جائے گا... راستہ دیتے ہیں یعنی پلانٹ تباہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں ... تو بھی ہمارے پلے کچھ نہیں

بچتا... پھر ہم ہوں گے اور پڑوسی ملک کی آئے دن کی دھمکیاں۔"

"پھر ... کیا کیا جائے ۔"

"افسوس کوئی بات نہیں سوجھ رہی۔"

"اس کا حل میں بتاتی ہوں۔" ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری۔

سب نے امید بھری نظروں سے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں... اس وقت صدر صاحب کی آواز ابھری:

"تم یوں کیوں نہیں کرتے جمشید!!!"

"جی فرمایئے؟"

"یوں کیوں نہیں کرتے کہ میرے پاس آ جاؤ ... ہم جو بات بھی کریں ... یہاں کریں۔"

"بہتر ہے کہ صدر انکل ہمارے گھر آ جائیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"چلو یوں کر لو ... کوئی حرج نہیں۔" صدر مملکت بولے۔

آخر صدر صاحب بھی وہیں آ گئے۔ اور ان کے آنے کے بعد وہ سب گھر کے تہہ خانے میں آ بیٹھے ... یہاں آنے پر بھی زور دیا تھا فرزانہ نے ... اب انہوں نے اس سے پوچھا۔

"ہاں فرزانہ ... اوپر تو ہم نے پوچھا نہیں تھا... اب بتاؤ یہاں تہہ خانے میں بھلا کیا فائدہ نظر آیا تھا تمہیں۔"

"وہ وہاں ہونے والی ہر بات سن رہا تھا... موبائل آن ہونے کی صورت میں بھی اور آف ہونے کی صورت میں بھی۔"

"اوہ ہاں یہ بات میں نے محسوس کر لی تھی۔"

"اس لیے میں نے سوچا، ہم ایسی جگہ کیوں نہ چلیں جہاں وہ ہماری ہر بات نہ سن سکے ... صرف وہ سنے جو ہم اسے سنانا چاہیں ... اور آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ تہہ خانہ ایسے آلات سے لیس ہے کہ یہاں کی کوئی بات طاقتور ترین ٹرانسمیٹر کے ذریعے بھی باہر نہیں جا سکتی۔"

"بالکل ٹھیک فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

یہاں کرسیاں اور میزیں نہیں تھیں، بس قالین بچھا تھا، اسی لیے سب قالین پر بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ آج صدر مملکت بھی ان کے ساتھ گھر کے فرد کی طرح قالین پر ہی موجود تھے۔

"میری ایک تجویز ہے۔" فرزانہ کی آواز ابھری۔

"ہم سن رہے ہیں۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"تو سننے کے لیے برا سامنہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اس لیے کہ ہر وقت ہیرو بننے کے چکر میں رہتی ہو۔" فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"شش ... یہاں صدر صاحب بھی موجود ہیں۔" خان رحمان نے گویا انہیں خبردار کیا۔

"اوہ لیکن یہ بات تو ہمیں یاد ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے ..." فاروق مسکرایا۔

"کس بات پر شکر ادا کیا۔" پروفیسر شہابی نے حیران ہو کر کہا۔

"اس بات پر کہ یہ بات ہمیں یاد ہے۔"

"مم ... مگر کون سی بات؟" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"پپ ... پتا نہیں ... ہاں یاد ہے ہمیں یہ بات یاد ہے کہ صدر صاحب یہاں موجود ہیں۔"

"دھت تیرے کی۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔ "صدر صاحب کیا خیال کریں گے۔"

"یہی تو مشکل ہے۔" صدر صاحب نے جلدی سے کہا۔

"کیا مشکل ہے۔"

"یہ کہ میں کوئی خیال نہیں کروں گا۔"

"ہائیں انکل صدر ... میرا مطلب ہے صدر انکل آپ بھی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بھئی۔"

"تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔" انسپکٹر جمشید بھنا اٹھے۔

اور وہ سب مسکرانے لگے ...

ایسے میں انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ آواز میں کہا۔

"اصل بات یہ ہے کہ ہم بہت بری طرح الجھ گئے ہیں ... نہ ایٹمی پلانٹ کو تباہ کر سکتے ہیں نہ اپنے ملک کی اہم ترین تنصیبات کو اور ادھر پروفیسر داؤد مشکل میں ہیں ... ابھی ہمیں ان کیلئے بھی کچھ کرنا ہے ...

ان کی رہائی کی کوشش بھی ہم اسی صورت میں کر سکتے ہیں جب ایک طرف سے فارغ ہو جائیں ... ملک کی طرف سے اور ایٹمی پلانٹ کی طرف سے فارغ ہو جائیں اسی وقت ان کی طرف توجہ سے سکیں گے۔‘‘

’’ سوال یہ نہیں کہ ہم کیا کیا نہیں کر سکتے، سوال یہ ہے کہ ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں ان مشکل حالات میں ...‘‘ صدر مملکت نے کہا۔

’’یہ ہماری زندگیوں کا شاید خوفناک ترین سوال ہے ... اس کیس میں ہم کیا کر سکتے ہیں ... ہر بار ایک ہی جواب دماغ میں گونجتا ہے کہ کچھ نہیں، لیکن اگر کچھ بھی نہ کر سکے تو پھر بھی تباہی ہی تباہی ہے۔‘‘ خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

وہ سب گم سم سے ہو گئے تھے ... یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سوچ کے سمندر میں اتر گئے ہوں ... انہیں یوں محسوس ہونے لگا کہ وہ کبھی کچھ نہیں سوچ سکیں گے اور ان کی زندگیاں یونہی تمام ہو جائیں گی۔ دشمن ان کا ایٹمی پلانٹ تباہ کر دے گا اور وہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے ... نہ صرف ایٹمی پلانٹ بلکہ ان کی عمارات کو بھی تہس نہس کر دے گا ...

اور پھر عین اس وقت جب کہ وہ قطعاً مایوس ہو چکے تھے، فاروق کی آواز ابھری۔ ’’میری ایک تجویز ہے۔‘‘

سب نے چونک کر فاروق کی طرف دیکھا ...

ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

فاروق نے انہیں اپنی طرف اس طرح دیکھتے پا کر برا سا منہ بنایا۔

’’ یہ کیا بات ہوئی ... کیا میں میں کوئی تجویز نہیں دے سکتا۔‘‘

’’ دے تو سکتے ہو لیکن ہو گی وہ بالکل فضول۔‘‘ فرزانہ مسکرائی۔

’’ سننے سے پہلے تم یہ بات کس طرح کہہ سکتی ہو۔‘‘ محمود نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

’’ اندازہ تو لگا سکتی ہوں نا۔‘‘

’’ چھوڑو فرزانہ ... فاروق کو تجویز بتانے دو۔‘‘

’’ اچھی بات ہے ... چلو فاروق بتاؤ۔‘‘

’’ اور چلو کہاں ؟‘‘ فاروق نے جلدی سے کہا۔

’’ دیکھا آپ نے۔‘‘ فرزانہ جھلا کر باقی لوگوں کی طرف پلٹی۔

’’ انگارے نہ چباؤ، میں بتاتا ہوں ... ہم انکے سامنے تجویز رکھتے ہیں کہ پروفیسر انکل کو چھوڑ دیں، ہم ایٹمی پلانٹ کے بارے میں انہیں بتا دیتے ہیں۔‘‘

’’ کیا ... ہم اور اپنے ایٹمی پلانٹ کے بارے میں بتا دیں۔‘‘

’’ اس طرح ہم پروفیسر انکل کو حاصل کر لیں گے، آخر ایٹم بم انہوں نے ہی تو بنائے ہیں ... وہ پھر بنا لیں گے۔‘‘

’’ یہ اتنا آسان نہیں ... پھر جب ایٹمی پلانٹ ہی نہیں ہوگا تو اس صورت میں ایٹم بم کیا ہوا میں بنائیں گے۔‘‘ محمود نے جل بھن کر کہا۔

’’بھئی ایک بات ذہن میں آئی تھی، لال پیلا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔‘‘

"یہ تجویز نہیں چلے گی، آخر وہ کیوں پروفیسر کو چھوڑنے لگے... ان کا دباؤ ہم پر ہے ہمارا ان پر نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"دباؤ۔" مارے حیرت کے فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"ہاں دباؤ... دباؤ ہی کہا ہے... ابا جان نے۔"

"دباؤ۔" فرزانہ نے ایک بار پھر کہا۔

"اوہو کیا ہو گیا ہے... دباؤ دباؤ کیے چلے جا رہی ہو۔"

فرزانہ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو چکی تھی آخر اس نے کہا۔ "میں بتاتی ہوں اس مسئلے کا حل۔"

"بھئی واہ، اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"حل یہ ہے کہ ہم ان کا ایٹمی پلانٹ اپنے نشانے پر لے لیں۔"

"حد ہو گئی... یہ ترکیب بتائی ہے اس نے... اور بتائی بھی اس طرح ہے کہ جیسے یہ کام بچوں کا کھیل ہے۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"فرزانہ نے بات پوری نہیں کی۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق کو گھورا۔

"جی اچھا... چلو فرزانہ بات پوری کرو۔"

"جس طرح انہیں نہیں معلوم کہ ہمارا ایٹمی پلانٹ یعنی اصل پلانٹ کہاں ہے بالکل اسی طرح ہمیں بھی نہیں معلوم... وہ بھی تو اس پوزیشن میں ہیں کہ ہم ان کی بات ماننے پر مجبور ہیں تو ہم کوئی ایسا کام کیوں نہیں کر سکتے کہ یہ ہماری بات ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

"بالکل ٹھیک فرزانہ... بہت خوب شاندار۔"

"ہائیں یہ کیا محمود، اس نے تو مفت میں تعریف میں سمیٹ لی، ہینگ نہ پھٹکڑی رنگ چوکھا آگیا۔"

"سوال یہ ہے کہ ہم ایسا کیا کام کریں؟"

"اگرچہ ہم اپنے گھر کے تہہ خانے میں ہیں اور یہ پوری طرح محفوظ ہے، یہاں ہونے والی بات چیت سنی نہیں جا سکتی لیکن پھر بھی ہمارا چونکہ ایک اصول ہے... ہم ہر لحاظ سے احتیاط کرتے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، اس لیے میں اپنی ترکیب لکھ کر سب کے سامنے رکھوں گی، اس پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں، کرنا چاہیے یا نہیں، یہ سوچنا ابا جان کا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے فرزانہ... ترکیب بتاؤ۔"

اس نے کاغذ قلم لیا اور لکھنے لگی... وہ ساتھ ساتھ پڑھنے لگے:

"میری تجویز یہ ہے کہ جس قدر زبردست دباؤ اس وقت ہم پر ہے، ہمیں بھی اسی پائے کا دباؤ ڈالنا ہو گا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر... اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت شارجستان کے ایک انتہائی اہم شخص اپنے ملک کی سرحد پر ایک خاص میٹنگ کے سلسلے میں جانے والے ہیں... وہ اپنی گاڑی پر جائیں گے اور گاڑی پر واپس آئیں گے... ان کا یہ دورہ ذاتی نوعیت کا ہے۔" وہ یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

"تب پھر فرزانہ۔" اس سے ہمیں کیا؟"

"اگر ہم اس اہم شخصیت کو غائب کر دیں تو۔"

"اوہ یہ بات آئی ہے تمہارے ذہن میں۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"جی ہاں۔"

"پہلا سوال تو یہ ہے کہ تمہیں یہ بات کس طرح معلوم ہوئی ہے۔"

"ابھی ابھی معلوم ہوئی ہے ... اخبار میں ایک بہت چھوٹی سی خبر اس بارے میں لگی ہوئی ہے۔"

"اوہ ... اوہ کہاں ہے وہ خبر۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

فرزانہ نے خبر کی طرف انگلی سے اشارہ کر دیا ... وہ سب خبر کو پڑھنے لگے ... خبر یہ تھی ...

"ملک کے ایک اعلیٰ ترین حکومتی عہدیدار آج رات اپنے ایک عزیز سے ملنے کے لیے سرحد تک جائیں گے ... ان کے عزیز سرحد کے دوسری طرف رہتے ہیں ... ایک گھنٹے کے قیام کے بعد ان کی اسی راستے سے واپسی ہو گی ... سیکورٹی خدشات کے پیش نظر ان کی شناخت کو راز رکھا جا رہا ہے۔"

یہاں تک لکھ کر فرزانہ نے ہاتھ روک لیا۔

"یہاں سوال یہ ہے کہ کیا شارجستان کی حکومت اس دباؤ کو مان لے گی ... ہو سکتا ہے وہ ہمیں کوئی بڑی عمارت فوری طور پر تباہ کرنے کی دھمکی دے ڈالے یعنی دباؤ میں نہ آئے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہم اس صورت میں ہم یہ دھمکی دیں گے کہ جونہی عمارت تباہ ہو

گی ... اہم شخصیت کو ہلاک کر دیا جائے گا۔"

"جواب میں وہ ہمارے سفیر کو ہلاک کرنے کی دھمکی دے دیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

اب وہ پھر سوچ میں پڑ گئے ... آخر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میرا خیال ہے ... اس مسئلے کا یہ حل نہیں ہے۔"

"آپ بتائیں حل کیا ہے۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"حل ہی تو نہیں سوجھ رہا ہے۔" وہ بے قرار ہو گئے۔

"ہمارے خلاف بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ ترتیب دیا گیا ہے ... ہمیں بری طرح بے بس کر دیا گیا ہے، جب تک ہم پروفیسر داؤد کو رہا نہیں کرا لیتے اس وقت تک ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اور پروفیسر داؤد کو حاصل کرنا ہمارے لیے اور زیادہ مشکل ہے۔"

تو کیا اپنا ایٹمی پلانٹ اپنے ہاتھوں تباہ کر دیں ... ان کا مطالبہ پورا کر دیں۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"نہیں ... ہم یہ بھی نہیں کر سکتے۔" خان رحمان ہکلائے۔

"جب نہیں کر سکتے تو پھر کر کیا سکتے ہیں۔"

"سچ یہی ہے کہ ہم اس مرتبہ بہت برے پھنسے ہیں۔"

"لیکن انسان کے پاس عقل جیسی بڑی چیز موجود ہے۔"

ایسے میں فرزانہ کے جسم کو ایک زور دار جھٹکا لگا ... اس نے کہا۔

"مجھے ... مجھے ایک حل سوجھ رہا ہے۔"

"مطلب یہ کہ تم دوبارہ لکھ کر بتاؤ گی۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"اس میں گھورنے کی کیا بات ہے۔"

"جی چاہ رہا ہے گھورنے کو اور بس۔"

"اچھا چپ ... ہاں فرزانہ ... تم کس طرح بتاؤ گی۔"

عین اس لمحے فرزانہ کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی ... ساتھ ہی وہ تڑ سے گری اور ساکت ہوگئی۔

☆☆☆☆☆

پروفیسر

"ارے ! یہ اسے کیا ہوا۔"

انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا، پھر وہ فوراً اس کی طرف جھک گئے۔

"فرزانہ ... فرزانہ۔" محمود اور فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"میری بچی کو کیا ہوا۔" خان رحمان کے حلق سے روتی آواز نکلی۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کی ایک آنکھ کا پپوٹا اٹھا کر اس میں جھانکا، پھر سیدھے ہوتے ہوئے انہوں نے کہا۔

" اسے ہسپتال لے جانا پڑے گا، آؤ جلدی کرو، پروفیسر شہابی یہیں ٹھہریں، اللہ نے چاہا تو ہم اسے واپس یہیں لائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس اچانک صورت حال نے پروفیسر شہابی بھی حد درجے پریشان کر دیا تھا ... ایسے میں بیگم جمشید بھی فرزانہ کی چیخ سن کر وہاں آگئیں۔

"کیا ہوا فرزانہ کو؟" وہ بوکھلا گئیں۔

"اچانک بے ہوش ہوگئی، ہم اسے ہسپتال لے جا رہے ہیں، پروفیسر شہابی لائبریری میں رہیں گے ... ان کا خیال رکھنا۔"

’’اب مجھے بھی جانا ہوگا ... کچھ دیر میں کابینہ کا اجلاس ہونے والا ہے ، اور وہاں میری شرکت بہت اہم ہے۔‘‘ صدر مملکت بھی اٹھتے ہوئے بولے : ’’لیکن میں فکر مند ہوں ، ہم آگے نہیں بڑھ پا رہے ۔‘‘

اور پھر وہ باہر نکل آئے ... انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

خان رحمان نے فرزانہ کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

فاروق اور محمود اس کے پاس بیٹھ گئے ۔

جونہی وہ سڑک پر آئے ... کار کی رفتار بہت کم ہوگئی ۔

’’یہ کیا ابا جان ، آپ نے کار کی رفتار آہستہ کیوں کر لی ، ہمیں تو جلد از جلد ہسپتال پہنچنا ہے۔‘‘ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

’’نہیں ہمیں جلدی ہسپتال نہیں جانا ہے۔‘‘

’’جی کیا مطلب ۔‘‘

’’فرزانہ بے ہوش نہیں ہے ۔‘‘

’’کیا !!!‘‘ وہ ایک ساتھ چلائے ۔

’’لیکن کیوں ؟‘‘ محمود نے فوراً کہا۔

’’پتا نہیں کیوں ، یہ تو اب ہم اس سے پوچھیں گے ۔‘‘

’’چلو فرزانہ بتاؤ ۔‘‘ فاروق نے اسے کہنی سے ٹھوکا دیا ۔

’’کیا بتاؤں ۔‘‘

’’تم جھوٹ موٹ کی بے ہوش کیوں ہوئی تھیں۔‘‘

’’تو کیا سچ مچ کی ہوتی۔‘‘ فرزانہ نے منہ بنایا۔

ویسے ابھی اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں ۔

’’اچھا چلو یہ بتاؤ ، ایسا کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی ۔‘‘

’’بس جی چاہا ... بے ہوش ہوگئی ۔‘‘ وہ ہنسی ۔

’’ہے کوئی تک ۔‘‘ محمود نے بھنا کر کہا ۔

’’چلو فرزانہ بتا دو ۔‘‘ خان رحمان مسکرائے ۔

’’بس کوئی بات سوجھ رہی تھی ... بے ہوش ہوگئی ۔‘‘

’’ہے کوئی تک ...‘‘ محمود نے بھنا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

’’کوئی تک نہیں ہے ۔‘‘ فاروق مسکرایا ۔

’’خبردار جو اب تم دونوں بولے... فرزانہ بتاؤ کیا بات ہے ۔‘‘

’’میں دیکھنا چاہتی تھی، پروفیسر شہابی کیا ردِعمل ظاہر کرتے ہیں ... میں نے سوچا ان کے بارے میں اطمینان کر لیا جائے ۔‘‘

’’تم نے بالکل ٹھیک کیا ... پھر کیا اندازہ لگایا ۔‘‘

’’ان کے چہرے پر حیرت اور گھبراہٹ ضرور نظر آئی تھی لیکن کوئی اور تاثر نظر نہیں آیا تھا ۔‘‘

’’خیر ... ہم ان کے بارے میں جان ہی لیں گے ۔‘‘ انسپکٹر جمشید کچھ سوچتے ہوئے بولے ۔

اب انہوں نے بیگم جمشید کو فون کیا ۔

’’یہاں کیا حال ہے ۔‘‘

’’جی ہر طرح خیریت ہے ۔‘‘

"پروفیسر شہابی کیا کر رہے ہیں۔"

"وہ لائبریری میں ہی ہیں، کتابوں کے مطالعے میں غرق ہیں۔"

"انہیں چائے وائے کو پوچھا۔"

"جی ہاں لیکن کسی چیز کی خواہش ظاہر نہیں کر رہے، مہمان خانے میں ان کا بستر کر دیا ہے لیکن وہ کہہ رہے تھے لائبریری میں ہی سو جائیں گے، وہاں بھی بستر لگا دیا ہے۔"

"بہت خوب! وہ لائبریری میں سو جائیں گے ... لیکن تم نہیں سوؤ گی بلکہ بھابھی صاحبہ کو بھی اپنے ساتھ جگاؤ گی۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"میرا مطلب ہے تم ان کی نگرانی کرو گی، لائبریری میں جھانک لینا ... اگر وہ اٹھ کر لائبریری سے باہر آئیں تو بھی تم دونوں صرف دیکھو گی کہ وہ کیا کرتے ہیں ... دخل نہیں دو گی۔"

"اچھی بات ہے۔"

"بس ٹھیک ہے ... ہم رات کے وقت واپس نہیں آئیں گے ... صبح آئیں گے ... لیکن آنے سے پہلے تم سے رپورٹ لیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں ... رپورٹ تیار ملے گی۔"

"بہت خوب!" انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"اب ہسپتال تو جانا نہیں ہے، گھر ہم جا نہیں رہے، تو پھر اب ہم کہاں جائیں ... نہ کوئی گھر نہ ٹھکانہ ..." فاروق گنگنایا۔

"ہم تجربہ گاہ چلتے ہیں ... ویسے بھی ان حالات میں تجربہ گاہ کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

اور پھر ان کا رخ تجربہ گاہ کی طرف ہو گیا۔

"بہت دیر سے میں ایک بات محسوس کر رہی ہوں ابا جان۔" ایسے میں فرزانہ نے کہا۔

"بتاؤ ... کیا محسوس کر رہی ہو۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

"میں چاہتی ہوں آپ ملک کے مشرقی حصے کے ذمے داران سے بھی پوچھیں کہ پروفیسر شہابی کا پس منظر کیا ہے۔"

"میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش ابھی شروع کرتا ہوں۔"

انہوں نے مشرقی حصے کے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے ... سلسلہ ملتے ہی انہوں نے کہا۔

"انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ کا کوئی پتا چلا یا نہیں سر۔"

"ابھی تک نہیں ... وہ تو اس طرح غائب ہیں جس طرح گدھے کے سر سینگ۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

"حیرت ہے ... اچھا آپ سے ایک کام ہے۔"

"ہاں کہو جمشید۔"

"ہمیں پروفیسر شہابی کے بارے میں تمام تر معلومات درکار ہیں۔"

"میں کوشش کیے دیتا ہوں ... ویسے مجھے ذاتی طور پر زیادہ معلوم نہیں ہے ... سوائے یہ کہ پروفیسر غوری صاحب کی شہادت کے بعد

انہوں نے حکومت سے رابطہ کیا تھا کہ ان کے پروفیسر غوری سے دوستانہ تعلقات تھے اور یہ کہ وہ بھی ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں بغیر کسی لالچ کے ... اگر حکومت انہیں اجازت دے ... تب حکومت نے انہیں تجربات کرنے کی اجازت دی تھی اور اس دوران انہوں نے کئی مفید چیزیں ایجاد کی بھی ہیں ... مجھے تو بس اتنا ہی معلوم ہے۔''

''جی نہیں یہ معلومات کافی نہیں ہیں، میں ان کے ذاتی حالات جاننا چاہتا ہوں ... انہوں نے تعلیم کہاں کہاں حاصل کی، کہاں پیدا ہوئے، کہاں کہاں رہے وغیرہ وغیرہ۔'' انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

''اچھی بات ہے ... میں ایک آدھ گھنٹے بعد فون کرتا ہوں۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

دس منٹ بعد وہ تجربہ گاہ کے سامنے پہنچ گئے۔

''ارے! یہ کیا۔'' فرزانہ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

''اب کیا نظر آگیا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''سامنے دیکھو۔'' فرزانہ نے اشارہ کیا۔

انہوں نے سامنے دیکھا اور پھر مارے حیرت کے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

انہوں نے تجربہ گاہ کی اوپر والی منزل پر جس شخص کو دیکھا، اسے دیکھنے کی امید انہیں ایک فیصد بھی نہیں تھی۔

''کیا ہماری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔''

''نہیں۔''

''تو پھر آؤ۔''

اور انہوں اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

بے تحاشہ دوڑتے ہوئے وہ لفٹ تک آئے ... دوسرے ہی لمحے وہ لفٹ میں سوار اوپر کا رخ کر رہے تھے ... جونہی لفٹ کا دروازہ کھلا ...

پھر جونہی لفٹ کا دروازہ کھلا ...

ایک چہکتی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

''آؤ بھئی جمشید، خان رحمان اور محمود فاروق فرزانہ ...''

☆☆☆☆☆

نیا سراغ

"پروفیسر صاحب یہ آپ ہیں۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"انکل!" محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"میرے دوست۔" خان رحمان نے والہانہ انداز میں کہا۔

پھر وہ ان کی طرف لپکے اور ان سے چمٹ گئے... ان سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ... یہ سب کیا ہے، کیا ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں... آپ سچ مچ واپس آ گئے ہیں یا ہماری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔"

"یہ میں ہی ہوں... نہ تو تم نے کوئی خواب دیکھا نہ میں نے۔"

"تب پھر آپ ایکورم سے واپس کیسے آ گئے۔"

"ہاں کچھ دیر تک وہ مجھ سے ایٹمی پلانٹ کے بارے میں سوالات کرتے رہے لیکن میں نے انہیں ہوا تک نہ لگنے دی... اور انہیں کچھ نہ بتایا... پھر نہ جانے کیسے میں سو گیا، آنکھ کھلی تو تجربہ گاہ کے لان کی اس بنچ پر خود کو پایا... میں یہاں کیسے پہنچا یہ تو مجھے خود بھی معلوم نہیں۔"

"لیکن آپ اندر کیسے آ گئے، تجربہ گاہ کو تو ہم نے تالا لگا دیا تھا۔"

"میں خفیہ راستے سے اندر آیا ہوں۔"

"آپ نے جو کچھ بتایا وہ انتہائی حیرت انگیز ہے... کوئی طلسم ہوش ربا اور الف لیلہ جیسی کہانی... جس میں حاتم طائی کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ خود کو باغ سیب میں پاتا ہے۔"

"شاید کوئی جن آپ کو یہاں چھوڑ گیا ہے..." فاروق مسکرایا

"حیرت اس بات پر ہے کہ انہوں نے آپ کو چھوڑ کیوں دیا... آپ کو ایکورم لے جانے کے لیے تو انہوں نے اتنے پاپڑ بیلے تھے۔"

"لیکن انکل!" ایسے میں فرزانہ نے زور دار انداز میں کہا۔

"لیکن انکل کیا؟"

"ہم اس قدر آسانی سے آپ کو اپنا انکل نہیں مانیں گے۔"

فرزانہ کی بات سن کر نہ صرف پروفیسر صاحب بلکہ باقی ساتھی بھی چونک اٹھے۔

"بہت خوب فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو فرزانہ۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"ہمیں کیا معلوم کہ آپ واقعی ہمارے انکل ہیں یا نہیں۔"

"اوہ تو یہ بات ہے... تم سوچ رہی ہو کہ کہیں میں پروفیسر داؤد کے میک اپ میں ایکورم کا کوئی جاسوس نہ ہوں۔"

"فرزانہ کی بات میں وزن ہے، ہمیں میک اپ چیک کرنا ہو گا۔"

خان رحمان نے پر زور انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے ... تم ضرور چیک کر لو۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"یہ کام میں کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

اب انہوں نے ان کے چہرے کا خوب اچھی طرح جائزہ لیا ... انہیں کسی طرف سے بھی میک اپ نظر نہ آیا۔ آخر انہوں نے کہا:

"بظاہر تو میک اپ نہیں ہے لیکن سائنس کا دور ہے ... ہم آپ کو ایک اور طرح سے چیک کریں گے۔"

"ایک اور طرح سے ..." پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ سے کچھ ایسے سوالات کریں گے جن کے جوابات اصلی پروفیسر صاحب ہی دے سکتے ہیں ... ان کے میک اپ میں اگر ہمارے ساتھ کوئی اور ہے تو وہ نہیں دے سکتا۔"

"اچھی بات ہے ... پوچھو کیا پوچھنا ہے۔" انہوں نے پرسکون انداز میں کہا۔

"ایک بار ہم سب شوگراہل گئے تھے ... بھلا وہاں کیا خاص واقعہ پیش آیا تھا۔"

"ایک کوبرا ہمارے راستے میں آگیا تھا، ہم نے بڑی مشکل سے اسے نشانہ بنایا تھا، وہ ہر بار گولی کا وار بچا جاتا تھا لیکن آخر تمہاری گولی کا وہ نشانہ بن گیا تھا اور اس طرح ہمیں اس سے نجات ملی تھی۔"

"یہاں تک آپ نے ٹھیک کہا، لیکن اس سانپ کے ساتھ ایک

اور واقعہ ہوا تھا۔"

"ہاں جمشید... اسی وقت ایک سپیرا ادھر آنکلا تھا ... اس نے کہا تھا، آپ لوگوں نے میرا کوبرا مار ڈالا، اب اس کی قیمت ادا کریں ... ورنہ میں عدالت میں جاؤں گا ... اب ظاہر ہے ... ہم نے غلط تو نہیں کیا تھا کیونکہ کوبرا ہمارے مقابلے میں آگیا تھا، اگر ہم اسے ہلاک نہ کرتے تو وہ ہمیں ہلاک کر دیتا۔"

"بالکل ٹھیک پروفیسر صاحب آپ نے ٹھیک کہا ... ایسا ہی ہوا تھا اور بھلا ہم نے سپیرے کو کتنے پیسے دے کر اسے راضی کیا تھا۔"

"دو لاکھ روپے۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"بالکل ٹھیک ... میرا امتحان مکمل ہوا اور مجھے یقین آگیا ہے کہ یہ اصلی پروفیسر داؤد ہیں ... ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔"

"نہیں ابا جان۔" ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری۔

"نہیں ابا جان ... یہ کیا بات ہوئی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ابھی ہم بھی چیک کریں گے۔"

"اوہ اچھا ... ضرور چیک کرو۔"

"پروفیسر انکل ... ایک بار ہم تینوں آپ کے ساتھ ایک مہم پر گئے تھے ... ابا جان اور انکل خان رحمان ساتھ نہیں تھے، اس موقع پر ہمیں ایک دیہات سے گزرنا پڑا تھا، ہم نے وہاں رک کر کھانا کھایا تھا ... آپ صرف یہ بتا دیں اس دوران دیہاتی لوگوں نے ہمیں کیا کیا چیزیں

کھلائی تھیں۔"

"انہوں نے ہمیں صرف ایک چیز کھلائی تھی ... وہ ایک خاص قسم کی دال تھی اور خاص طریقہ سے پکائی گئی تھی ... ہم نے زندگی میں اس سے زیادہ مزے کی دال آج تک نہیں کھائی ہو گی۔"

"بالکل ٹھیک انکل۔" فرزانہ نے کہا اور باقی ساتھیوں کی طرف مڑتے ہوئے کہنے لگی۔ "یہ سو فیصد اصلی انکل ہیں۔"

"نہیں۔" خان رحمان چلّا اٹھے۔

"جی... آپ نے کیا کہا... نہیں۔"

"ہاں ... میرا خیال ہے میں بھی انہیں چیک کرنا چاہتا ہوں۔"

"چلو ... تم بھی اپنا اطمینان کر لو۔" پروفیسر مسکرائے۔

"پروفیسر صاحب اگر آپ واقعی میرے دوست ہیں تو مہربانی فرما کر یہ بتا دیں ... پہاڑ پور گاؤں میں کیا واقعہ پیش آیا تھا۔"

"پہاڑ پور گاؤں میں ایک چھوٹے سے بچے نے ہمیں گہری کھائی میں گرنے سے بچایا تھا، ہم اس کھائی کی طرف سے بے دھیان تھے۔"

"بہت خوب۔"

"اللہ کا شکر ہے ... اب ہم ذرا پروفیسر شہابی کی خبر لیتے ہیں۔"

"بالکل!" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

اب انہوں نے بیگم جمشید کا نمبر ملایا، سلسلہ ملتے ہی انہوں نے کہا:

"ہاں بیگم ... کیا رپورٹ ہے۔"

"پروفیسر شہابی صاحب نے زیادہ تر وقت مطالعہ کرتے گزارا ... انہوں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے ان پر شک ہوتا۔"

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے ہی تھے کہ موبائل کی گھنٹی بجنے لگی ... انہوں نے دیکھا فون آئی جی صاحب کا تھا۔

وہ چونک اٹھے ... دوسری طرف سے وہ کہہ رہے تھے۔

"ایک اور عجیب ترین بات جمشید ... اکرم نیازی صاحب کے دھنسے ہوئے گھر کے نیچے کوئی تابکاری اثرات نہیں ملے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہمارے پاس بھی آپ کیلئے ایک عجیب ترین خبر ہے۔"

"وہ کیا جمشید!" آئی جی صاحب چونکے۔

"پروفیسر داؤد واپس آ گئے ہیں ..."

"کیا کہا جمشید... پروفیسر داؤد ... وہ یہاں کہاں۔"

"دشمن نے انہیں واپس بھیج دیا ہے ... اور وہ اب ہمارے ساتھ تجربہ گاہ میں ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"ارے ... یہ کیا ... اور یہ کیسے ہو گیا۔"

"ہم اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں سر۔"

"اب میں اور زیادہ فکر مند ہو گیا ہوں جمشید۔"

"میرا خیال ہے پہلے اکرم نیازی کی عمارت کی طرف ہو آئیں ہم سیدھے وہیں جا رہے ہیں سر۔"

☆☆☆

اکرم نیازی کے گھر کے گرد زبردست پہرہ تھا ... لیکن پہرے پر موجود لوگ انہیں اچھی طرح جانتے تھے ... وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔

گڑھے کے نزدیک اب بھی کام ہو رہا تھا۔ کھدائی جاری تھی۔ ماہرین یہ کام کروا رہے تھے۔

ان کے انچارج سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا۔

"یہ بات کس طرح معلوم ہوئی ہے کہ تابکاری اثرات نہیں ملے۔"

"ہمارے پاس تابکاری اثرات معلوم کرنے کے آلات ہیں۔"

"اوہ اچھا ... تب پھر عمارت زمین میں کس طرح دھنسی۔"

"یہ بات بھی ہم بہت جلد معلوم کر لیں گے ... اس کھدائی کے ساتھ ساتھ ہمارے آلات نیچے جا رہے ہیں اور نیچے کی خبریں اوپر لا رہے ہیں۔"

"اوہ ... بہت خوب!"

"ویسے میرا ایک ذاتی خیال ہے اگر آپ پسند کریں تو بتا دوں۔" انچارج نے کہا۔

"ضرور، کیوں نہیں۔"

"اگر کسی عمارت کے نیچے موجود پانی کو گیس میں تبدیل کر دیا جائے، میرا مطلب ہے پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مجموعہ ہے تو اس

پانی کو ان دو گیسوں میں تبدیل کر دیا جائے اور گیسوں کو نیچے سے خارج کر دیا جائے تو وہ عمارت زمین میں دھنس جائے گی۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ پانی کو گیس میں تبدیل کیسے کیا جاتا ہے۔"

"ہم اپنی لیبارٹریز میں یہ کام آسانی سے کر لیتے ہیں، ہائیڈروجن دو حصے اور آکسیجن ایک حصے کو جب آپس میں ملاتے ہیں تو وہ پانی بن جاتی ہے ... اسی طرح انہیں الگ الگ کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں پانی گیس میں تبدیل ہو جاتا ہے، اب اگر کسی کے پانی کو گیس بنا کر اڑا دیا جائے تو گویا عمارت کے نیچے خلا بن جائے گا اور وہ زمین میں دھنس جائے گی۔"

"اور یہ کام کس طرح سے کیا گیا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ بات تو گھر لے لوگ ہی بتا سکتے ہیں ... یقیناً کچھ لوگ اس سلسلے میں ان کے گھر آئے ہوں گے۔"

☆☆☆

وہ اسی وقت اپنے گھر چلے آئے کیونکہ اکرم نیازی کے گھر والے بھی اب وہیں تھے۔ وہاں انہوں نے اکرم نیازی سے سوال کیا:

"اکرم نیازی ... اس واقعے سے پہلے کچھ اجنبی لوگوں نے آپ لوگوں سے ملاقات تو نہیں کی تھی۔"

"اجنبی لوگوں نے۔" اکرم نیازی کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں ... شاید یہ بات آپ کے علم میں نہ ہو کیونکہ آپ تو دفتر میں ہوتے ہیں ... خواتین سے پوچھ کر بتا دیں۔"

"چند لوگ ہمارے گھر آئے تو تھے۔"

"اوہ ... کس سلسلے میں ..."

"انہوں نے بتایا تھا کہ وہ زیر زمین پانی کے ماہر ہیں ... سرکاری سطح پر ان کی ذمے داری یہ ہے کہ شہر میں کسی علاقے کا پانی تو خراب نہیں ہو رہا ... بہت سے علاقوں کا پانی خراب ہونے کی اطلاعات آ رہی ہیں ... مختلف علاقوں کا پانی چیک کرتے پھر رہے ہیں ... میں نے انہیں بتایا تھا کہ ہمارے ہاں تو سرکاری پانی آتا ہے ... ہم نے تو کنوئیں یا بورنگ کی موٹر لگوائی ہی نہیں ہے، اس پر انہوں نے کہا تھا کہ پانی کے خراب ہونے کے اثرات بہت خوفناک ہیں، عمارتیں تباہ ہو رہی ہیں، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہیں ... آپ ہمیں چیک کر لینے دیں، اس پر میں نے انہیں چیک کرنے کی اجازت دے دی تھی۔"

"اور انہوں نے اپنا کام کس طرح کیا تھا۔"

"یہ ہمیں معلوم نہیں ویسے انہوں نے کسی آلے کی مدد سے ایک سوراخ کیا تھا اور اس سوراخ میں کوئی دوا ڈالی تھی ... بس اس کے بعد وہ چلے گئے تھے، جاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ ہم چند دن بعد آئیں گے اور نیچے کا پانی حاصل کر کے اسے چیک کریں گے لیکن ان

کے آنے سے پہلے ہی مکان زمین میں دھنس گیا۔"

"وہ لوگ کب آئے تھے۔"

"پانچ یا چھ دن ہو گئے ہیں۔"

"عمارت کو دھنسانے والا معاملہ تو صرف اتنا تھا کہ انہوں نے ہمیں خوف میں مبتلا کر کے اپنا مطالبہ منوا لیا تھا ... اب وہ کوئی اور عمارت تباہ کرنے کے قابل نہیں ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ کسی اور عمارت کو زمین میں دھنسانے کی دھمکی دے سکتے ہیں ... اس دھمکی سے جو کام وہ لینا چاہتے تھے وہ لے چکے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"آپ کا مطلب ہے وہ کسی طرح ہمارے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں بلکہ شاید ایٹمی پلانٹ تک یا آس پاس پہنچ چکے ہیں۔"

"نن نہیں۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"آؤ جلدی کرو ... شاید ہمیں دیر ہو چکی ہے۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے گاڑی کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆☆☆☆☆

پھنکار

سب کے سب بے تحاشہ ان کی طرف دوڑ پڑے۔

انسپکٹر جمشید ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکے تھے، گاڑی کا انجن سٹارٹ ہو چکا تھا۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح گاڑی چلاتے تجربہ گاہ پہنچے... باہر پہرے دار پوری طرح چوکس کھڑے تھے۔

اب انہوں نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی... تجربہ گاہ میں پہنچ کر دم لیا... انہوں نے دیکھا... دونوں پروفیسر وہاں نہیں تھے۔

''ارے باپ رے... وہ تو یہاں نہیں ہیں۔''

''تب پھر۔'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''ایک منٹ۔''

یہ کہہ کر انہوں نے پروفیسر کا نمبر ملایا... ان کا نمبر بند تھا۔

اب انہوں نے پروفیسر شہابی کا نمبر ملایا... ان کا نمبر بھی بند تھا... اب تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔

''لگتا ہے چوٹ ہو گئی... دونوں کے موبائل بند ہیں۔''

''پہلے تو ہمیں پوری تجربہ گاہ میں انہیں دیکھنا چاہیے۔''

''چلو یہ بھی کر لیتے ہیں، لیکن لگتا ہے ہم وقت ضائع کریں گے اور اس دوران وہ نہ جانے کہاں کے کہاں پہنچ جائیں۔''

''لیکن کیسے، کیا انہیں یہاں سے لے جایا گیا ہے۔''

''نہیں، تجربہ گاہ کو غور سے دیکھو، یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہے گویا دونوں خود یہاں سے گئے ہیں۔''

''لیکن کہاں۔''

''اس سوال کا جواب دیتے ہوئے میں خوف محسوس کر رہا ہوں... ایٹمی پلانٹ کے بارے میں پروفیسر داؤد کو معلوم ہے یا پھر ایک اور شخص کو... میرا مطلب ہے پلانٹ میں جو سائنس دان کام کر رہے ہیں، ان کے علاوہ صرف دو آدمیوں کو معلوم ہے کہ پلانٹ کہاں ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے اصل پلانٹ کیونکہ جسے ہم ایٹمی پلانٹ سمجھتے ہیں وہ تو اصل پلانٹ نہیں۔''

''ہاں یہی بات ہے۔''

''لیکن وہ بھلا وہاں کیوں جانے لگے۔''

''ہمارے پلانٹ کے دشمن جو یہ چاہتے ہیں۔''

''لیکن پروفیسر انکل بھلا ان کی خواہش کیوں پوری کرنے لگے۔''

''تم بھول رہے ہو، ہم سب بھول رہے ہیں، پروفیسر صاحب ایکورم ہو آئے ہیں، وہاں ان لوگوں نے ان کے ساتھ کیا کیا ہم نہیں جانتے... ذرا سوچو انہیں وہاں بلانے کے لیے اس قدر جوڑ توڑ والی

منصوبہ بندی کی گئی ... پھر پروفیسر صاحب ان کے پاس پہنچ گئے تو خود ہی انہیں واپس بھیج دیا، کہنے کا مطلب یہ کہ وہاں ضرور پروفیسر صاحب کے ساتھ کچھ کیا گیا ہے اور جو کچھ کیا گیا ہے، وہ ہمارے ملک کے حق میں تو جائے گا نہیں الٹ ہی جائے گا لہٰذا ہمیں فوری طور پر ایٹمی پلانٹ کا رخ کرنا چاہیے بلکہ آندھی طوفان کی طرح فاصلہ طے کرنا چاہیے۔''
انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

''لیکن کیسے، آپ وہاں کیسے پہنچیں گے، آپ کو کیا معلوم کہ پلانٹ کہاں ہے۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

''تم بھول رہی ہو فرزانہ، میں نے کہا تھا وہاں کام کرنے والوں کے علاوہ دو اور آدمیوں کو یہ بات معلوم ہے کہ پلانٹ کہاں ہے ... ایک پروفیسر داؤد اور دوسرا۔'' وہ کہتے کہتے رک گئے ...

ساتھ ہی ان کے جسم کو ایک جھٹکا لگا ... انہوں نے فوراً باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ان کی رفتار اس قدر زیادہ تھی کہ وہ پوری قوت سے دوڑنے کے باوجود ان تک نہ پہنچ سکے۔

''ہم رہ جائیں گے ابا جان ہمیں ساتھ لے لیں، ہمیں نہیں معلوم پلانٹ کہاں ہے۔''

انسپکٹر جمشید نے مڑ کر ایک نظر ان پر ڈالی ... پھر چلائے۔

''جلدی کرو ... ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں ہے ... ہمیں ان کے داخل ہونے سے پہلے ان تک پہنچنا ہے۔''

انہوں نے پورا زور لگا دیا، آخر وہ گاڑی تک پہنچ گئے۔

دوسرے ہی لمحے گاڑی تیر کی طرح روانہ ہو گئی۔

''آپ نے بتایا نہیں ابا جان ... اور دوسرا کون؟''

''یار اتنی بات نہیں سمجھے، دوسرا جمشید اور کون۔'' خان رحمان نے بھنا کر کہا۔

''کیا ... اوہ ... ہائیں ...'' تینوں ایک ساتھ بولے۔ حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''ابھی ارے اور نہیں بھی باقی ہیں ...'' خان رحمان جھلا گئے۔

''نن ... نہیں ... وہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں یقین تھا کہ دوسرے ابا جان ہی ہوں گے۔''

''تب پھر اس قدر حیرانی کیوں ظاہر کی۔''

''اس لیے کہ ...'' فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

''اس لیے کہ کیا ...''

''اس لیے کہ ہمیں اپنے یقین کے یقین میں بدل جانے پر حیرت ہوئی۔''

''شاباش ... یہ ہوئی نا بے تکی بات۔'' محمود خوش ہو کر بولا۔

''ہائیں ... بے تکی بات پر شاباش ... کیا بات ہوئی۔''

''وہی جو حیران ہونے پر ہوئی ...'' محمود مسکرایا۔

''حیران ہونے پر کیا ہوئی ...'' خان رحمان چونکے۔

"بے تکی بات ..." فاروق مسمسی صورت بنا کر بولا۔

"دھت تیرے کی ..." محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"کیا آپ کو امید ہے ابا جان ... کہ آپ انہیں پکڑ لیں گے۔" فرزانہ نے جیسے باتوں کا رخ بدلنے کے لیے کہا۔

"اس لیے کہ پروفیسر مجھ سے زیادہ تیز گاڑی نہیں چلا سکتے۔"

"اور پروفیسر شہابی۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

"لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ نہ جانے وہ کب روانہ ہو چکے ہیں۔"

"یہ بات تو ہے ... اگر وہ ہمارا فون سن لیتے تو اور بات ہوتی۔"

"فون سننے کی صورت میں کون سا وہ رک جاتے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"فرق تو پڑتا ... ہم انہیں باتوں میں الجھا سکتے تھے، تم بس دعا کرو کہ ادھر وہ پلانٹ تک پہنچیں ادھر ہم۔"

انسپکٹر جمشید نہایت مہارت سے ڈرائیونگ کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کی گاڑی شہر سے باہر آ گئی۔

اب سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ انہوں نے رفتار اور زیادہ کر دی ... ان چاروں کو خوف محسوس ہونے لگا۔

"اب ... با ... جان۔" مارے خوف کے فاروق کے منہ سے نکلا۔

"خاموش؟" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد تھا۔

وہ ساکت رہ گئے۔ گویا اس وقت انسپکٹر جمشید کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے اور گاڑی خطرناک حد رفتار سے آگے جا چکی تھی۔

"انکل!" محمود نے مارے خوف کے خان رحمان کو مخاطب کیا۔

"شش۔" خان رحمان نے محمود کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا گویا وہ کہہ رہے تھے: "چپ رہو ... اس وقت یہ میری بھی نہیں مانیں گے۔"

پندرہ منٹ تک یہ خوفناک صورتِ حال جاری رہی۔

آخر رفتار کم ہوتی محسوس ہوئی تو ان کی جان میں جان آئی۔

انہوں نے دیکھا ... وہ ایک بہت بڑے اور بہت پرانے کھنڈر کے سامنے پہنچے تھے اور آگے گاڑی لے جانے کا راستہ نہیں تھا۔

ان کے سامنے کھائیاں اور ٹیلے ہی ٹیلے تھے۔ پروفیسر داؤد کی گاڑی وہاں انہیں کہیں بھی نظر نہ آئی اور اگر وہ یہاں رکتے تو اس جگہ ان کی گاڑی ضرور ہونی چاہیے تھی ...

یہ بات محسوس کرتے ہی فرزانہ نے کہا۔

"لیکن ابا جان ... ان کی گاڑی یہاں نہیں ہے۔"

"کسی پوشیدہ جگہ کھڑی کی ہو گی شاید۔" انہوں نے کہا۔ ان کے انداز میں بے چینی تھی اور کسی حد تک پریشانی بھی۔

وہ گاڑی سے اتر آئے تھے اور ٹیلوں اور کھائیوں کو جلدی جلدی عبور کر رہے تھے۔ عین اس لمحے ایک فائر ہوا۔

☆☆☆

انسپکٹر جمشید دھڑام سے گرے ...

محمود ، فاروق ،فرزانہ اور خان رحمان چلا اٹھے۔ '' ابا جان ۔''

فائر کے ساتھ وہ چاروں بھی گرے تھے اور لڑھکتے چلے گئے تھے۔

انسپکٹر جمشید بھی لڑھک چکے تھے ، ساتھ ہی انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی ... وہ کہہ رہے تھے :

'' ہوش وحواس میں رہنے کی ضرورت ہے ،ہم سوچے سمجھے منصوبے کی زد میں ہیں اور ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لیا جا چکا ہے ۔''

''اوہ ... اور پروفیسر انکل اور پروفیسر شہابی ۔''

'' اصل پریشانی ان کی ہے ... یہ لوگ چاہتے ہیں ہم یہاں سے آگے نہ بڑھیں اور ادھر دونوں پروفیسروں سے وہ کام لے لیں جس کے لیے یہ سارا منصوبہ ترتیب دیا گیا ہے ۔''

'' لیکن ابا جان بھلا یہ کیسے ممکن ہے ... ایٹمی پلانٹ یہاں اس جنگل میں کیسے ہوسکتا ہے ۔''

'' غلط سمجھے ۔'' انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی ۔

''اگر ہم غلط سمجھے ہیں تو پھر آپ اس طرف کیوں آئے ۔''

'' میں اس طرف اس لیے آیا ہوں کہ اس وقت میں اس طرف ہی آسکتا تھا ۔''

'' یہ کیا بات ہوئی بھلا ۔''

عین اسی وقت ان پر چاروں طرف سے گولیوں کی باڑ ماری گئی اور یہ باڑ اندھا دھند تھی ۔

'' میں سمجھ گیا ۔'' انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری ۔

'' کیا اب آپ گولیوں کی زبان بھی سمجھنے لگے ہیں ۔'' مارے حیرت کے فرزانہ کے منہ سے نکلا ۔

'' میرا مطلب ہے میں ان لوگوں کی چال کو سمجھ گیا ہوں ، دراصل ان لوگوں نے ہمیں دوسری طرف الجھا دیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں پروفیسر داؤد کا خیال نہیں آئے گا لہٰذا یہ انہیں آرام سے ایٹمی پلانٹ تک لے جائیں گے ... لیکن ان کے خیال کے برعکس مجھے جلدی احساس ہو گیا کہ ان کا مقصد کیا ہے اور میں ادھر چلا آیا ... اب یہ ہمیں روکنا چاہتے ہیں ... اس بات سے کہ ہم پروفیسر داؤد تک نہ پہنچ پائیں کیونکہ اگر ہم ان تک پہنچ گئے تو انہیں روک لیں گے ۔''

'' روک لیں گے ، کس بات سے ۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا ۔

''بھائی یہ ان باتوں کا وقت نہیں کام کا وقت ہے ۔'' محمود نے جل کر کہا ۔

'' بالکل ٹھیک ... باتیں تو ہم پھر بھی کر لیں گے ۔''

'' اور کیا ۔'' خان رحمان نے منہ بنایا ۔

'' اچھا بتائیں ابا جان کرنا کیا ہے ۔''

'' ان سب کو نشانہ بنانا ہے ،کوئی رعایت اس وقت نہیں کی جائے

گی یعنی ان کی جانیں بچانے کے لیے ہم ان کی ٹانگوں پر فائر نہیں
کریں گے بلکہ ان کی جانیں لینے کے لیے ان کے سروں یا سینوں پر
فائر کریں گے، یہ ہمارے ملک کے بدترین دشمن ہیں، یہ ہمارے ایٹمی
پلانٹ کے دشمن ہیں اور اسے تباہ بھی ہمارے پروفیسر صاحب کے ذریعہ
کرنا چاہتے ہیں۔''

''اوہ... اتنا خوفناک منصوبہ۔'' فاروق نے کانپ کر کہا۔

''تم پھر بولے۔'' محمود نے جھلا کر کہا۔

''اور تم جو بول پڑے ہو۔''

''حد ہوگئی... نہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل۔'' فرزانہ تلملا اٹھی۔

عین اسی وقت پھر گولیوں کی باڑ ماری گئی لیکن چونکہ وہ پوری طرح
ٹیلوں کی اوٹ میں تھے، اس لیے سب کے سب محفوظ رہے...

''شاید یہ ہمیں صرف ڈرانے کے لیے چاروں طرف سے فائر کر
رہے ہیں تاکہ ہم آگے نہ بڑھیں، ہمیں نشانہ بنانا یا موت کے گھاٹ
اتارنا ان کی ضرورت نہیں۔'' خان رحمان نے یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید
کی طرف دیکھا۔

''ہمیں سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا ہوگا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''آؤ آگے بڑھتے جائیں... ایسا نہ ہو کہ پروفیسر صاحبان بہت
آگے چلے جائیں اور پھر ہم ان تک نہ پہنچ سکیں۔'' خان رحمان نے کہا۔

''یہ اتنا آسان نہیں۔'' انسپکٹر جمشید ہنسے۔

''کیا مطلب... کیا اتنا آسان نہیں۔''

''ایٹمی پلانٹ تک پہنچنا۔''

''پروفیسر صاحبان کے لیے یا ہمارے لیے۔'' محمود نے پوچھا۔

''دونوں کے لیے۔''

''جی کیا مطلب ہم سمجھے نہیں، اگر پروفیسر انکل ایٹمی پلانٹ کا
راستہ جانتے ہیں تو پھر وہاں پہنچنا ان کے لیے اتنا آسان کیوں نہیں۔''

''یہ ابھی نہ پوچھو، بس حملہ آوروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کرو۔''

''لیکن کس طرح... انہوں نے بھی ٹیلوں کی اوٹ لی ہوئی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' انہوں نے کہا پھر سرگوشی کے انداز میں انہوں
نے کہا۔

''خان رحمان تم ان تینوں کے ساتھ فائروں کا جواب دیتے رہو
جبکہ میں یہاں سے ہٹ کر چکر کاٹ کر انکی پشت پر پہنچنے کی کوشش کرتا
ہوں، ایسا نہ ہو ہم گولیاں ختم کر بیٹھیں اور یہ لوگ شیر ہو جائیں۔''

''آپ فکر نہ کریں ہم اپنی ایک گولی بھی ضائع نہیں کریں گے۔''
فرزانہ نے جوش کے عالم میں کہا۔

اب انسپکٹر جمشید نے اپنا رخ تبدیل کیا اور وہاں سے رینگتے ہوئے
آگے بڑھ گئے۔ ادھر ان چاروں نے بغور چاروں طرف کا جائزہ شروع
کر دیا۔ دوسری طرف ایک خاموشی تھی، جب سے انسپکٹر جمشید گئے تھے
کوئی فائرنگ نہیں ہوئی تھی۔

"فائرنگ کیوں بند ہو گئی ؟" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"شاید یہ الٹا ہمیں گھیرنے کی کوشش میں ہیں اور غیر محسوس طور پر یہ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس صورت میں یہ لوگ ہماری کمر کی طرف آنے کی فکر میں ہوں گے۔"

"کوئی پروا نہیں ... اگر یہ لوگ ہماری پشت کی طرف آ گئے تو ہم اپنا رخ تبدیل کریں گے... ٹیلوں کے اس طرف آ جائیں گے۔"

"اگر ان کی تعداد زیادہ ہوئی اور کچھ لوگ اس طرف بھی موجود رہے تو ہمارا رخ تبدیل کرنا ہمارے کس کام آئے گا۔"

"اوہ ہاں ... اس طرح صورتِ حال نازک ہو جائے گی۔"

"تب پھر ہم کیا کریں ... ہم تو تعداد میں کل چار ہیں۔"

"ان حالات میں فاروق سے کام لیے بغیر چارہ نہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا مطلب ؟" خان رحمان چونکے۔

"فاروق تم ایک گھنے درخت پر چڑھ کر چاروں طرف کا جائزہ لے سکتے ہو اور ساتھ ساتھ ہماری رہنمائی کر سکتے ہو، اس طرح ہم دشمن کی پوزیشن سے ساتھ ساتھ خبردار ہوتے رہیں گے۔"

"بہت ہی اچھی تجویز ہے۔" خان رحمان کی آواز ابھری۔

"بہت بہتر انکل ... میں ایک درخت کا رخ کر رہا ہوں۔"

"اور تم کر بھی کیا کر سکتے ہو۔" فرزانہ ہنسی۔

"آپ دیکھ رہے ہیں انکل۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"دیکھ نہیں سن رہا ہوں، بس تم جاؤ۔"

اور پھر فاروق ایک اونچے اور گھنے درخت پر چڑھ گیا ... جلد ہی اس کی طرف سے خبریں نشر ہونے لگیں ... یہ سب بات چیت سرگوشی کے انداز میں ہو رہی تھی تاکہ دشمن کے کانوں تک بات نہ جا سکے۔

فائر کی آوازوں کے حساب سے دشمن ان سے کافی فاصلے پر تھا اور وہاں تک ان کی آہستہ آوازیں نہیں جا سکتی تھیں۔ یہ اندازہ وہ پہلے ہی لگا چکے تھے ... ایسے میں فاروق کی آواز سنائی دینے لگی ...

"اُف مالک ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

اس کی آواز میں خوف ہی خوف تھا۔

"خیر تو ہے فاروق، ہمیں ڈرانے کا پروگرام تو نہیں تمہارا۔" محمود نے کہا۔

"پہلے تو میں خود کو ڈرا رہا ہوں۔"

"کیا دیکھا ہے تم نے۔" فرزانہ بے چین ہو گئی۔

"یہاں تو ایک پوری فوج موجود ہے اور یہ فوج ہمارے چاروں طرف موجود ہے، ہم کسی بھی طرف کا رخ کریں ان کے دائرے میں ہی رہیں گے دائرے سے باہر نہیں نکلیں گے لیکن یہ خبر اتنی بری نہیں جتنی بری خبر میں اب سنانے لگا ہوں۔"

"فاروق تمہیں ہو کیا گیا ہے، درخت پر کیا چڑھ گئے ہو بری

خبریں سنانے پر تل گئے ہو ... حد ہو گئی ۔'' محمود نے جل بھن کر کہا۔

''ہاں اس میں تو خیر کوئی شک نہیں ۔''

''کس میں شک نہیں ... وہ بھی خیر سے ۔'' فرزانہ نے پوچھا ۔

''اس میں کہ حد ہو گئی۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا ۔'' فرزانہ بھنّا کر بولی ۔

''ان حالات میں اگر چل جائے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہو گی۔''

''اچھا چھوڑو ... تم خبر سناؤ ۔''

''دیکھ لو... کہیں تمہارے ہاتھوں کے طوطے نہ اڑ جائیں ۔''

''نہیں اڑیں گے ، فکر نہ کرو ۔'' محمود کی پر سکون آواز سنائی دی ۔

''ہاں فاروق ! ہم اتنے کم حوصلہ نہیں ... تم خبر سناؤ ۔''

''خبر یہ ہے کہ۔''

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔

اسی وقت درخت پر ایک خوفناک پھنکار سنائی دی تھی۔

فاروق کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔

آواز پھنیر سانپ کی تھی ۔

☆☆☆☆☆

مسٹر انشارجہ

''ارے باپ رے ۔'' فاروق کے منہ سے نکلا۔

صرف تین فٹ کے فاصلے پر سیاہ ناگ پھن پھیلائے موجود تھا ...

آواز کے ساتھ ہی نیچے والوں نے بھی سانپ کو دیکھ لیا تھا ۔

''ہلنا نہیں فاروق ... ادھر تم ہلے ... ادھر یہ حملہ کر دے گا۔''

''نن ... نہیں ۔'' فاروق کانپ گیا ۔

''میں اسے نشانہ بناتا ہوں ... میں ایسے رخ پر ہوں کہ فاروق درمیان میں نہیں آ رہا ... براہِ راست سانپ کو نشانہ بنا سکتا ہوں ۔''

''ٹھیک ہے انکل ۔'' فاروق نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں اور محمود ایسی جگہ ہیں کہ اگر سانپ کو نشانہ بناتے ہیں تو فاروق زد میں آتا ہے ۔'' فرزانہ نے کہا۔

''بس تم دونوں رہنے دو ۔'' فاروق نے منہ بنایا ۔

ادھر اس وقت تک خان رحمان سانپ کا نشانہ لے چکے تھے۔

سانپ ان کی طرف سے بے خبر تھا ، اس کی نظریں تو بس فاروق پر تھیں ، ایک طرح سے وہ فاروق کو ڈسنے کے لیے پر تول چکا تھا۔

اور پھر خان رحمان نے فائر کر دیا ... ان کے فائر کرنے سے پہلے
انہوں نے اللہ سے دعا کی۔ ''یا اللہ ...گولی نشانے پر لگے۔''
فائر کی آواز کے ساتھ ہی اس کا سر اڑ گیا اور دھڑ شاخ سے پھسلتا
نظر آیا۔ پہلے وہ نیچے کی طرف لٹکا پھر زمین پر آیا۔
اب انہوں نے دیکھا ... وہ بہت لمبا سانپ تھا۔
''درخت پر ادھر ادھر نظر ڈال لو فاروق ... کہیں اس کا ساتھی بھی
موجود نہ ہو۔'' خان رحمان نے کہا۔
فاروق نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن دوسرا سانپ نظر نہ آیا۔
آخر اس نے کہا۔ ''نہیں ... دوسرا تو نظر نہیں آ رہا۔''
''پھر بھی تم درخت سے نیچے آجاؤ، نزدیک ہی ایک اور درخت
ہے تم اس پر چڑھ سکتے ہو۔''
''اچھی بات ہے۔''
''اوہ ہاں! تم کوئی خوف ناک خبر سنا رہے تھے۔''
''پہلے نیچے آؤں ... یا خبر سناؤں۔'' اس نے منہ بنایا۔
''پہلے نیچے آ جاؤ۔''
فاروق بلا کی تیزی سے اتر کر ان کے پاس آ گیا۔
عین اس وقت خان رحمان کے موبائل پر کوئی پیغام آیا۔
انہوں نے فوراً پیغام پڑھا ... پیغام انسپکٹر جمشید کا تھا ... لکھا تھا: ''
جس قدر جلد ہو سکے یہ جگہ چھوڑ دو اور شہر پہنچ جاؤ ... آئی جی صاحب کو

بتا دو پلانٹ خطرے میں ہے ... جو کر سکتے ہیں کر لیں۔''
اب وہ فاروق کی طرف مڑے۔
''ہاں فاروق تم بتاؤ ... تم نے کیا دیکھا۔''
''ابا جان ان کے قبضے میں ہیں ... ان پر غالباً ایسا جال پھینکا گیا
ہے جو قدرے فاصلے سے بھی انہیں نظر نہیں آیا ہو گا، جب وہ جال میں
پھنس گئے تب انہیں نظر آیا ہو گا۔
''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو ... کیا وہ جال تمہیں نظر آیا ہے۔''
''نہیں لیکن انہوں نے ہاتھ پاؤں اس انداز میں ہلائے تھے کہ
جیسے کسی جال میں پھنسے ہوئے ہوں اور غالباً دشمنوں نے ان کے موبائل
کی طرف توجہ نہیں دی، ان سے لینے کی کوشش نہیں کی یا انہیں خیال
نہیں آیا ... اس لیے انہیں یہ پیغام دینے کا موقع مل گیا۔''
'' ٹھیک ہے ہم ان کا پیغام آگے بھیج دیتے ہیں لیکن جمشید کو اس
حال میں چھوڑ کر جائیں گے نہیں۔'' خان رحمان نے جذبات سے لبریز
لہجے میں کہا۔
''بالکل ٹھیک انکل ... یہی ہمارے دلوں کی آواز ہے، زندگی رہے
یا جائے ہم نہیں جائیں گے۔'' محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔
''بالکل ٹھیک۔'' خان رحمان نے فوراً کہا۔
''لیکن!'' فرزانہ کی آواز سنائی دی۔
''لیکن کیا؟''

’’لیکن اباجان کا حکم یہ ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں ... معاملہ ہماری زندگی اور موت کا نہیں ایٹمی پلانٹ کا ہے، اسے تباہ کرنے کی سازش کی گئی ہے، لیکن باقاعدہ حملہ کر کے نہیں ... اسی سلسلے میں وہ آواز ہمیں سنوائی گئی تھی، پھر انکل اکرم نیازی کا گھر زمین میں دھنسایا گیا، ہم لوگوں کو اس خوف میں مبتلا کیا گیا کہ وہ کسی بھی عمارت کو انسانوں سمیت زمین میں دھنسا سکتے ہیں اور اسی بنیاد پر پروفیسر شہابی کو ایکورم بھیجنے پر مجبور کیا گیا اور ہم ہنستے کھیلتے ان کی چال میں آ گئے اور اچھائی کرنے کے چکر میں ہم نے شہابی کی جگہ پروفیسر داؤد کو بھیج دیا ... اور یہی وہ چاہتے بھی ہوں گے اور ہماری حماقت پر خوب خوب ہنسے ہوں گے ... وہاں ان کے ساتھ ضرور کوئی عجیب اور خوفناک کاروائی کی گئی اور شاید کسی طرح ان کے دماغ کو کنٹرول کیا گیا کہ وہ ان کے لیے ایٹمی پلانٹ کو ناکارہ کرنے چل پڑے ورنہ وہ اس طرح تجربہ گاہ سے ایٹمی پلانٹ کے خفیہ راستے کی طرف نہ بھاگ کھڑے ہوتے ... ان حالات میں ہمیں وہی کرنا چاہیے جو انہوں نے کہا ہے۔‘‘

’’تم کچھ بھی کہو فرزانہ، چاہے ہمیں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کر لو ہم یہاں سے جائیں گے نہیں۔‘‘ محمود پر جوش کی حالت طاری تھی۔

’’میرا فیصلہ بھی یہی ہے محمود۔‘‘ خان رحمان نے اٹل لہجے میں کہا۔

’’اور میں بھی یہی کہتا ہوں۔‘‘ فاروق نے کہا۔

’’بہتر ہوگا پہلے آئی جی اور صدر صاحب کو پیغامات بھیج دیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ یہ کہہ کر خان رحمان نے انسپکٹر جمشید کا پیغام آگے بھیج دیا ... اس کے ساتھ ہی انہوں نے خود کا ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

ایسے میں بلند آواز میں کہا گیا: ’’انسپکٹر جمشید کے ساتھی جہاں بھی ہیں خود کو ہمارے حوالے کر دیں ورنہ ہم اسے نشانہ بنا دیں گے۔‘‘

انہوں نے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا ...

پھر خان رحمان نے سر ہلا کر آہستہ آواز ان سے کہا۔

’’خود کو ان کے حوالے کرنے کا یہ فائدہ تو ہوگا ہی کہ ہم جمشید کے ساتھ ہوں گے۔‘‘

’’بالکل ٹھیک۔‘‘

’’ہم یہاں ہیں۔‘‘ خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

’’تو پھر آواز کی سمت میں ہاتھ اوپر اٹھائے آگے آ جاؤ۔‘‘

’’ٹھیک ہے ہم آ رہے ہیں۔‘‘

وہ قدم اٹھانے لگے۔

یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں انسپکٹر جمشید جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر غصہ تھا۔

’’اور میں نے تم سے کیا کہا تھا۔‘‘

’’ہمیں افسوس ہے اباجان ہم آپ کی ہدایت پر عمل نہیں کر سکے۔‘‘

’’لیکن کیوں؟‘‘

’’آپ کو ان حالات میں چھوڑ کر جانے کو بالکل جی نہ چاہا۔‘‘

'' تم نے دل کی بات مانی ... ملک کے مفاد کا خیال نہیں کیا۔''

'' ہم نے یہ بات محسوس نہیں کی جمشید کہ ملک کا مفاد ہمارے یہاں سے چلے جانے میں ہے۔'' خان رحمان نے غمگین لہجے میں کہا۔

'' لیکن میں نے تو تم سے یہ کہا تھا۔''

'' ہاں جمشید تم نے ضرور کہا تھا ... لیکن افسوس ہم نے اس کے برعکس بات طے کی ... ہمیں معاف کر دو جمشید۔''

عین اسی وقت ان کے چاروں طرف آٹو میٹک رائفلیں ہاتھوں میں تھامے لوگ آ کھڑے ہوئے ...

'' تم لوگ بھی اس جال میں چلے جاؤ۔''

'' کیسے، کیا جال میں کوئی دروازہ ہے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

'' یہ جال دنیا کا انوکھا جال ہے، اس میں داخل تو ہو سکتے ہیں نکل نہیں سکتے، آگے بڑھتے چلے جاؤ، انسپکٹر جمشید کے پاس پہنچ جاؤ اور جال تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔''

انہوں نے قدم اٹھانے شروع کر دیے۔

جال کیا تھا گویا بادل تھا۔

وہ اس بادل میں داخل ہو گئے اور بادل نے انہیں پوری طرح ڈھانپ لیا ... اب وہ واقعی انسپکٹر جمشید کے پاس تھے۔

'' یہ سب کیا ہے ابا جان؟''

'' جال۔''

'' جال تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں، آخر یہ سب کیسے ہو گیا، یہ راستہ اگر خفیہ تھا ... تو یہ لوگ پہلے ہی یہاں کس طرح پہنچ گئے۔''

'' پہلے نہیں پہنچے، پروفیسر داؤد کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں البتہ ان کی تیاری بالکل مکمل تھی۔''

'' لیکن آخر یہ کیسا راستہ ہے، ایک ایٹمی پلانٹ کا راستہ اس طرح جنگل میں واقع ایک کھنڈر سے ہو کر بھی جا سکتا ہے۔''

'' کھنڈر والا راستہ حفاظتی نقطہ نظر کے تحت بنایا گیا تھا لیکن اس کا علم صرف مجھے تھا یا پروفیسر کو ... ان لوگوں نے بھی یہ اندازہ لگا لیا کہ خفیہ راستہ کے بارے میں اگر معلوم ہو سکتا ہے تو مجھے یا پھر پروفیسر صاحب کو ... مجھ پر ان کا داؤ چل نہیں سکتا تھا لہٰذا انہوں نے ایکورم میں پروفیسر صاحب کو بلوا لیا۔''

'' ایکورم میں کیوں؟''

'' ایکورم ایک طرح سے انشارجہ کی ماتحت ریاست ہے اور یہ سارا منصوبہ انشارجہ کا ہے، انشارجہ کسی صورت ہمیں ایٹمی طاقت دیکھنا پسند نہیں کرتا ... وہ شارجستان کو تو ایٹمی قوت دیکھ سکتا ہے ہمیں نہیں۔''

'' ابا جان یہ بات ہمارے حلق سے نہیں اترتی کہ ایٹمی پلانٹ کا راستہ ایک ایسی جگہ سے جا سکتا ہے۔''

'' میں بتا چکا ہوں ایسا مصلحت کے تحت کیا گیا ہے، جب ایٹمی پلانٹ میں جاؤ گے تو تمہاری سمجھ میں آئے گا، اس سے پہلے نہیں۔''

'' ہوں ... لیکن پروفیسر انکل کہاں ہیں۔''

'' وہ دونوں آگے کہیں ہیں، ان کا رخ ایٹمی پلانٹ کی طرف ہے اور یہ لوگ ان کا تعاقب کرتے ہوئے پلانٹ میں داخل ہوں گے۔''

'' آخر وہ پلانٹ میں کیوں جا رہے ہیں ... پروفیسر انکل کو ہو کیا گیا ہے۔'' فرزانہ نے شدید الجھن کے عالم میں کہا۔

'' مجھے نہیں معلوم ان کے ساتھ ایکورم میں کیا گیا ہے لیکن میرا اندازہ ہے ... شاید ان کو ذہن کو کسی طرح کنٹرول کیا گیا ہے ... مطلب یہ کہ جیسے انجانی طاقت والے کیس میں عماد حسن کے ساتھ کیا گیا تھا لہٰذا وہ وہی کریں گے جس کی انہیں ہدایات دی گئی ہیں۔''

''اوہ ... اس طرح تو پھر یہ لوگ پلانٹ تک پہنچ جائیں گے ... مگر کیا پلانٹ کی حفاظت کے انتظامات ان کے آڑے نہیں آئیں گے۔''

'' بالکل آڑے آئیں گے ... وہاں فوج کا پورا ایک دستہ موجود ہے... لیکن یہ لوگ بھی تو آخر منصوبہ بندی کر کے آئیں ہیں، بہرحال ابھی یہ معلوم نہیں کہ آگے چل کر ان کا کیا پروگرام ہے ...فی الحال میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ پلانٹ تک پہنچ جائیں گے ... اس سے آگے کہا ہو گا شاید یہ لوگ خود بھی نہیں جانتے ہوں۔''

'' یہاں تمہارا اندازہ غلط ہے انسپکٹر جمشید۔''

ایک عجیب سی آواز گونجی۔

یہ آواز انہوں نے پہلے بھی کہیں سنی تھی۔

کہاں سنی تھی ... انہیں یاد نہ آ سکا۔

'' آپ ... آپ کون ہیں۔'' محمود نے بوکھلا کر کہا۔

'' نہیں پہچانا، حیرت ہے کمال ہے افسوس ہے۔'' ہنس کر کہا گیا۔

'' کیا مطلب؟'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

'' کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں ... '' پھر ہنس کر کہا گیا۔

'' یہ جو آپ نے کہا ہے، حیرت ہے کمال ہے افسوس ہے، یہ تو ہمارا انداز ہے۔''

'' تو پھر ... اس سے کیا ہوتا ہے۔''

'' اور آپ کی آواز بھی جانی پہچانی ہے۔''

'' ارے تو پہچان لو نا، روکا کس نے ہے۔'' وہ ہنسا۔

وہ ذہن پر زور دینے لگے ... شاید وہ آواز بدل کر بات کر رہا تھا اسی لیے انہیں پہچاننے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔

''خیر چھوڑو، وقت آنے پر پہچان ہی لو گے ... لیکن حیرت ہے کہ تم لوگ یہاں تک پہنچ کیسے گئے۔''

'' پروفیسر داؤد اور شہابی کا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہیں۔''

'' ہوں، آپ کو کیسے پتا تھا کہ پروفیسر پلانٹ کا رخ کریں گے۔''

'' یہی تو ہمارا کام ہے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

'' مطلب یہ کہ آپ بتانا نہیں چاہتے۔''

'' توبہ کرو۔'' اس نے فوراً کہا۔

"توبہ!" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا پروفیسر صاحب کو ہپناٹائز کیا گیا ہے۔"

"ان پر کیا کیا گیا ہے اور کیا نہیں یہ بیکار سوال ہے اور ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔"

"اچھی بات ہے ... اب جو آپ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔"

"بس کرنا کیا ہے، تم لوگوں کو بھی اندر لے جائیں گے، وہیں پروفیسر صاحبان ہوں گے، بس تم لوگوں کے ہاتھوں تمہارا ایٹمی پلانٹ تباہ کریں گے، ہم وہاں سے نکل آئیں گے، تمہارے لیے نکلنے کے راستے بند ہوں گے گویا پلانٹ کے ساتھ ہی تم لوگوں کا نام ونشان بھی اس دنیا سے مٹ جائے گا۔"

"اور یہ سب کچھ آپ انشارجہ کے کہنے پر کریں گے۔"

"ظاہر ہے ... بلکہ میں خود انشارجہ ہوں۔"

"کیا کہا آپ خود انشارجہ ہیں ... ہم سمجھے نہیں۔"

"جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کے پیچھے نہ پڑو۔"

"اچھی بات ہے مسٹر انشارجہ چلیے کہاں چلنا ہے۔"

"یہ بادل جس سمت کا رخ کریں، تمہیں ان کے ساتھ ساتھ چلنا ہے ... بس چلتے رہنا ہے ... اگر تم نے ان سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو پھر پروفیسر شہابی تک کبھی نہیں پہنچ سکو گے ... اتنا اور بتا دوں کہ یہ بادل نہیں ایک قسم کا غبار ہے ... ہمارے سائنسدانوں کی عجیب وغریب

ایجاد ... ان کی خصوصیات ابھی آگے چل کر محسوس ہوں گی ... چلے آؤ میرے دوستو!" اس کے بعد آواز بند ہوگئی۔

انہوں نے قدم اٹھانے شروع کر دیے۔ بادل کھنڈر میں داخل ہو رہے تھے ... انہوں نے بھی اپنا رخ اسی طرف کر دیا تھا۔

"کیا خیال ہے ابا جان ... میں ان سے باہر ہو کر دیکھوں۔"

"کوئی فائدہ نہیں، ان کی ہدایات پر تو بہرحال عمل کرنا پڑے گا۔"

"جی بہتر!"

اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے ...

یہاں تک کہ بادل کھنڈر میں ایک جگہ رک گئے ...

"یہ تو رک گئے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"یہ رکے نہیں ... آگے راستہ تنگ ہے اس لیے آگے بڑھنے کی رفتار کم ہوگئی ہے، ابھی یہ آگے کی طرف حرکت کرتے نظر آئیں گے۔" آواز نے کہا۔ ... اور پھر بادل ایک تنگ سے دروازے میں داخل ہوتے نظر آئے۔ وہ بھی آگے بڑھنے لگے ... جونہی سب لوگ ا دروازے کے دوسری طرف آئے ...

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ "ارے یہ کیا؟"

☆☆☆☆☆

آواز کی آواز

ان کے سامنے ایک ڈھلوان تھی اور ڈھلوان ہولناک قسم کی تھی۔

ان کے چاروں طرف وہ بادل تھے۔ اب اگر وہ پیچھے جاتے تو بادلوں سے باہر نکل جاتے اور آگے قدم اٹھاتے تو اس ڈھلوان پر قدم پڑتے ہی وہ نیچے کی طرف لڑھک جاتے کیونکہ ڈھلوان بتدریج نہیں تھی۔

’’یہ کیا ابا جان۔‘‘

’’میں خود یہ ڈھلوان پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔‘‘

’’آپ کا مطلب ہے آپ بھی پہلی بار اس طرف آئے ہیں۔‘‘

’’یہی بات ہے، میں نے آج تک ایٹمی پلانٹ اندر سے نہیں دیکھا، پروفیسر صاحب نے بھی نہیں دیکھا، دراصل ایسی کوئی ضرورت کبھی پیش آئی نہیں ... خفیہ راستہ مجھے اور پروفیسر صاحب کو صرف اس لیے بتایا گیا تھا کہ کوئی خطرے کی صورتحال پیش آ جائے تو ہم اس راستے سے فوراً جا سکیں ورنہ اصل راستے سے جانے میں تو اس قدر رکاوٹیں ہیں ... اس قدر مشکل مرحلے ہیں کہ اندر پہنچتے پہنچتے کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں ... اتنی بار اپنی چیکنگ کرانی پڑتی ہے کہ کیا بتاؤں ... یہ بھی

خاص لوگوں کے لیے ہے، ہر قسم کے غیر ملکیوں اور ملک کے اہم ترین لوگوں کو بھی اجازت نہیں ملتی۔‘‘

’’اوہ ... اوہ۔‘‘ ان کے منہ سے نکلا۔

’’اب ہم اس ڈھلوان کا کیا کریں اور یہ بادل بھی تو نیچے ہی کا رخ کر رہے ہیں ... ابھی ان کا اگلا حصہ ڈھلوان کی طرف گیا ہے ... پچھلا حصہ رہتا ہے۔‘‘

’’لگتا ہے اس ڈھلوان پر لڑھکنا ہوگا اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آ رہا۔‘‘

’’آپ کا مطلب ہے ... ہم لیٹ کر لڑھکنا شروع کر دیں۔‘‘

’’میرے خیال میں تو یہی کرنا ہوگا۔‘‘

’’ہم آواز انکل سے کیوں نہ پوچھ لیں۔‘‘ فاروق نے منہ بنایا۔

’’واہ ... کیا بات ہے فاروق ... خوب نام دیا۔‘‘ خان رحمان خوش نظر آئے۔

’’شکریہ انکل!‘‘ فاروق مسکرایا۔

’’آواز انکل ... اب ہم کیا کریں۔‘‘ محمود نے ہانک لگائی۔

’’انسپکٹر جمشید ٹھیک کہہ رہے ہیں۔‘‘

’’تو کیا آپ اس ڈھلوان کو عبور کر چکے ہیں۔‘‘

’’بالکل۔‘‘

’’اچھی بات ہے، اگر آپ نیچے پہنچ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں۔‘‘ یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید لیٹ گئے ... ساتھ ہی انہوں نے کہا۔

"میرے ساتھ ساتھ تم لوگ بھی لیٹ جاؤ اور بازوؤں کی مدد سے لڑھکنے کی رفتار کو قابو میں رکھنا۔"

"جی اچھا۔"

اب سب لیٹ گئے ... بادل بتدریج آگے جا رہے تھے ... انہوں نے لڑھکنا شروع کر دیا ... اگر وہ انسپکٹر جمشید کی ہدایات کے مطابق بازوؤں سے رفتار کو قابو میں نہ رکھتے تو وہ بہت تیزی سے لڑھکتے ہوئے نیچے جاتے اور اس طرح انہیں خوب چوٹیں آتیں۔

آخر لڑھکنے کا یہ عمل مکمل ہوا ... اور وہ نیچے ایک کھلے میدان میں جا رکے ... انہوں نے دیکھا اس میدان کے دوسری طرف گھنا جنگل تھا۔ درخت ہی درخت تھے گویا اب انہیں یہ جنگل عبور کرنا تھا، پھر بھی اپنے اطمینان کے لیے انہوں نے آواز کو مخاطب کیا۔

"کیا اب اس جنگل کو عبور کرنا ہے۔"

"بالکل۔"

"اور کیا آپ عبور کر چکے ہیں۔"

"ہاں مجھے آپ سے آگے ہی آگے رہنا ہے نا۔"

"آپ تو خود پروفیسر صاحب کے پیچھے آئے ہیں تو پھر آپ کو راستہ کیسے معلوم ہے۔"

"مجھے ساتھ ساتھ بتایا جا رہا ہے۔" آواز کی آواز آئی۔

"کون بتا رہا ہے۔"

"میرا بھی ایک آواز والا مہربان ہے۔" وہ ہنسا۔

ان کا سفر اب جنگل میں شروع ہوا... اس پورے جنگل پر ویسے ہی بادل چھائے ہوئے تھے ... جیسے بادلوں کے درمیان وہ موجود تھے ... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ سفر تو لمبا ہی ہوتا جا رہا ہے، آخر پروفیسر داؤد اور پروفیسر شہابی نے یہ سارا راستہ کس طرح عبور کیا ہوگا۔"

"اسی طرح جس طرح ہم کر رہے ہیں۔" آواز آئی۔

"اور وہ اس ڈھلوان پر کس طرح لڑھکے ہوں گے۔"

"یہ معاملہ مرتا کیا نہ کرتا کا ہے، جب سر پر پڑتی ہے تو پھر انسان کر گزرتا ہے۔"

"ہاں یہ آپ نے ٹھیک کہا... ویسے آپ ہیں کون، تعارف تو کرا دیں۔"

"تعارف کراؤں گا لیکن ابھی نہیں۔"

"میرا خیال ہے جب یہ تعارف کرائیں گے، اس سے پہلے ہی ہم جان جائیں گے کہ یہ کون ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جب یہ جنگل طے کرنا ہی ٹھہرا تو پھر تیز کیوں نہ چلیں بلکہ دوڑ کیوں نہ لگائیں ..." فاروق نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور پھر انہوں نے دوڑ لگا دی۔

اس طرح وہ اس بادلوں سے آگے نکل گئے ، بادل ان سے پیچھے رہ گئے۔ عین اسی لمحے وہ تڑ سے گرے اور ساکت ہو گئے ...

انہیں یوں لگا جیسے ان کی جان نکل گئی ہو۔

"یہ ... یہ کیا ہوا۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"شاید یہ ان بادلوں کی وجہ سے ہوا ہے یعنی ہم اس کی حدود سے باہر کیا نکلے کہ ہمارا یہ حال ہو گیا۔"

ادھر بادلوں نے دوبارہ انہیں آ لیا ... اب وہ پھر ان کے اوپر تھے... انہوں نے محسوس کیا ، جونہی بادل ان کے اوپر آئے ... ان میں گویا جان پڑ گئی ... اب وہ اس رفتار سے چلنے لگے کہ بادلوں کے ساتھ ساتھ ہوں ...

"دیکھا تم نے۔" آواز آئی۔

"کیا دیکھا۔"

"تم ان بادلوں کے محتاج ہو۔"

"یہ کیسے ہو گیا ، پہلے بھی تو ہم ان بادلوں کے زیرِ اثر نہیں تھے۔"

"جب کوئی ایک بار ان بادلوں کے زیرِ اثر آ جاتا ہے تو ان کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"کیا مطلب ... آخر کب تک۔"

"جب تک یہ بادل تم لوگوں پر مسلط رہیں گے ... ہاں ہم خود بادلوں کو ہٹا دیں تو اور بات ہے۔"

وہ چلتے رہے ، بادل ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ گھنا جنگل ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے درختوں کا سلسلہ ختم ہوا۔

انہوں نے دیکھا ... ان کے سامنے ایک قلعہ نما دروازہ تھا ...

"انسپکٹر جمشید۔" کہا گیا۔

"ہاں ... کہیے۔"

"یہ دروازہ کیسے کھلے گا بھلا۔"

"اوہ ... تو یہ وہ دروازہ ہے۔" وہ چونکے۔

"ہاں ! پروفیسر صاحب کو معلوم تھا ... وہ دروازہ کھول کر اندر چلے گئے ... ان کے علاوہ بس آپ کو معلوم ہے۔"

"ٹھیک ہے ... میں کھول دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کے نزدیک چلے گئے ... انہوں نے منہ ہی منہ میں چند ہندسے دہرائے ... دروازہ کھٹ سے کھل گیا ... یہ بہت بڑا دروازہ تھا ... وہ اسے فوراً عبور کر گئے... ان کے پیچھے ان کے ساتھی آ گئے ... اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا ... دروازے کے ساتھ بہت اونچی چار دیواری تھی ... اور جہاں تک نظر جا سکتی تھی ... چار دیواری نظر آ رہی تھی ...

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی انہیں وہاں کئی کاریں کھڑی نظر آئیں ... یہ کاریں چھت کے بغیر تھیں۔

"لگتا ہے ... اب ہمیں ان میں بیٹھ کر سفر کرنا ہو گا۔"

"لیکن کس طرف ۔"

"ظاہر ہے سامنے کی طرف ۔"

وہ ایک کار میں بیٹھ گئے ... ابھی بیٹھے ہی تھے اور انسپکٹر جمشید نے سٹیرنگ کو چھوا بھی نہیں تھا کہ کار خود بخود چل پڑی ... ان کے علاوہ کوئی اور کار حرکت میں نہیں آئی تھی ۔

"ہمیں تو یہ کار خود بخود لیے جا رہی ہے ... آپ کہاں ہیں ... کوئی اور کار تو حرکت میں نہیں آئی ۔"

"میری تو صرف آواز ہی تم لوگوں کے ساتھ ہے ورنہ میں تو پروفیسر داؤد اور پروفیسر شہابی کے ساتھ ہوں ۔" ہنس کر کہا گیا ۔

"کیا !!!" وہ بری طرح چونکے ۔

☆☆☆☆☆

وہ آ گئے

مارے حیرت کے انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔

گاڑی آندھی اور طوفان کی رفتار سے اڑی جا رہی تھی ... اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ۔

"یہ ہمیں کہاں لے جا رہی ہے ۔"

"پروفیسر صاحبان کے پاس ... جہاں آواز بھی موجود ہے ۔"

"لیکن کیوں ۔"

"ہمارا ایٹمی پلانٹ تباہ کرنے کے لیے ۔"

"تو کیا ابا جان ! وہ ہمارے پلانٹ کو پروفیسر انکل کی مدد سے تباہ کریں گے ۔"

"ہرگز نہیں ... ان سے تو بس یہاں تک آنے کا کام لیا گیا ہے کیونکہ یہ خفیہ راستہ صرف مجھے اور پروفیسر صاحب کو معلوم تھا ۔"

"اوہ ... اوہ ... لیکن ابا جان راستہ تو انہوں نے پروفیسر انکل کے ذریعے کھلوا لیا تھا تو پھر ہمیں یہاں کس لیے لایا گیا ہے ۔"

"پلانٹ کے ساتھ یہ لوگ ہمیں بھی موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے

ہیں کیونکہ ہم بھی تو ان کے راستے کی دیواریں ہیں ... ہم نہیں ہوں گے تو ان کے منصوبے بہت آسانی پورے ہو جایا کریں گے۔"

"انہیں ہمارے ملک کے خلاف ایسے منصوبوں کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔" فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"لگتا تو یہی ہے جیسے انہیں اس کام کے سوا اور کوئی کام نہ ہو۔"

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن اب ہم تو پہلے ہی ان کے قبضے میں ہیں ...ان کے مقابلے میں کیا کر سکیں گے ...اپنے پلانٹ کو کیسے بچا سکیں گے۔"

"اس وقت میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا ... تم جانتے ہی ہو ہم لوگ تو صورتِ حال دیکھ کر حرکت میں آتے ہیں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"آمین؟"

•

ان کا سفر کار میں جاری رہا ... کار کی تیز رفتاری خوفناک تھی لیکن اس کے باوجود انہیں ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی کی رفتار پہلے کم ہوئی، پھر وہ رک گئے۔ انہوں دیکھا ... سامنے ایک عجیب و غریب عمارت تھی۔ آٹھ نو پہلوؤں والی۔ اتنے پہلوؤں والی عمارت وہ پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ ان کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ پھر کار کے دروازے خود بخود کھل گئے۔ وہ باہر نکل آئے۔ اسی وقت عمارت کا ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے

پروفیسر داؤد اور پروفیسر شہابی نکل کر ان کی طرف آتے نظر آئے۔

"تو یہ تم لوگوں کو بھی لے آئے۔"

"ہم نہیں انکل ... آپ لے آئے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ہاں تم نے ٹھیک کہا۔

"لیکن آپ نے ایسا کیوں کیا انکل ... آپ اس طرف کیوں آئے آخر۔" محمود نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے نہیں معلوم میں کیوں آیا اور پروفیسر شہابی کو کیوں اپنے ساتھ لایا ... ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی بہت بڑی طاقت کے قبضے میں ہوں اور وہ مجھ سے جو کام چاہتی ہے لے رہی ہیں۔"

عین اسی لمحے انہیں پھر بادلوں نے گھیر لیا ... یوں لگا جیسے بادل پیچھے رہ گئے ہوں ... اور کار کی رفتار کا ساتھ نہ دے پائے ہوں۔

"ارے یہ بادل تو پھر آ گئے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہاں جمشید، یہ ان لوگوں کی ایجاد ہے، بہت خوفناک چیز ہے... اب تم لوگوں کی طاقت سلب کرنا شروع کر دیں گے اور تھوڑی دیر کے بعد تم کسی کام کے نہیں رہ جاؤ گے۔"

"اور ... اور آپ۔"

"ہماری طاقت تو پہلے ہی سلب کر لی گئی ہے ... ہم تو بس چل پھر سکتے ہیں ... اٹھ بیٹھ سکتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

"لیکن کیسے۔"

'' انہی بادلوں کے ذریعے ... نہ جانے یہ بادل کیسے ہیں کہ ان
میں گھر جانے کے بعد طاقت سلب ہونا شروع ہو جاتی ہے، مثلاً تم اپنے
آپ کو دیکھ لو، ذرا زور کے ساتھ ایک ہاتھ سر کی طرف لے جانا۔''

انہوں نے دایاں ہاتھ اٹھایا اور زور دار انداز میں سر تک لے جانا
چاہا... ہاتھ سر تک چلے تو گئے، لیکن ان میں زور نہیں تھا۔

'' آپ ٹھیک کہتے ہیں، ہماری طاقت بہت تیزی سے سلب ہو رہی
ہے۔'' انہوں پریشانی کے عالم میں کہا۔

'' لیکن انکل ایک بات سمجھ میں نہیں آئی، یہاں تو ہمارے علاوہ
کوئی بھی نہیں، یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے، کیا یہی ایٹمی پلانٹ ہے۔''

''ایٹمی پلانٹ یہی ہے لیکن یہ پلانٹ کا تہہ خانہ ہے... تمام چیزیں
اوپر ہیں، ایٹم بموں کا ذخیرہ اور یہاں کام کرنے والے اوپر ہیں...
ان لوگوں کو تو کانوں کان خبر تک نہیں کہ یہاں نیچے کیا ہو رہا ہے۔''

''اور وہ کہاں ہیں جن کی آواز ہم اب تک سنتے رہے ہیں۔''

'' میں بھی یہیں ہوں۔'' آواز آئی۔

انہوں نے آواز کی سمت میں دیکھا... ایک لمبے قد کا صحت مند
آدمی انہیں اپنے سامنے کھڑا نظر آیا۔

'' آواز جانی پہچانی، شکل صورت بالکل نئی۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

'' شکل صورت کا کیا، اس میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''یوں تو آواز بھی تبدیل کی جا سکتی ہے۔'' محمود نے منہ بنایا۔

'' اور یہ تم برے برے منہ کیوں بنا رہے ہو۔''

'' اس الجھن کی بنیاد پر کہ یہ آواز ہم نے کہاں سنی ہے، ہمیں یاد
کیوں نہیں آ رہا۔''

'' میں یاد کرا دوں۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''نہیں پہلے ہم خود کوشش کریں گے۔''

'' تمہارا نام جو بھی ہو ... پہلے یہ بتا دو کہ پروگرام کیا ہے۔''
انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

'' پروگرام صاف ظاہر ہے، تم لوگوں کو جو یہاں لایا گیا تو صرف
اس لیے کہ پلانٹ کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی یہاں دفن کر دیا جائے...
اس طرح ہم ایک وقت میں دو فائدے اٹھائیں گے ... پلانٹ سے
نجات اور تم سے بھی۔''

'' پروفیسر داؤد کے ساتھ ایکورم میں کیا گیا تھا۔''

'' ہاں اب بتانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہم اپنا کام مکمل کر چکے
ہیں، یہاں جگہ جگہ ڈائنا میٹ نصب کر دیے گئے ہیں، یہ ڈائنا میٹ بھی
کوئی عام بم نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

'' جس فارمولے کے تحت اکرم نیازی کا مکان زمین میں دھنسا یا
گیا تھا ... اسی فارمولے کے تحت یہ پوری عمارت زمین میں دھنس
جائے گی ... عمارت چونکہ اوپر ہے اس لیے تم اس سے بھی نیچے ہو گے

میرا مطلب ہے قدرتی قبروں میں۔"

"لیکن کیوں ... ایسا بھلا کیوں ہو گا ... ہم ان ڈائنا میٹ کو پھٹنے سے پہلے ناکارہ کیوں نہیں بنا سکیں گے۔"

"پہلی وجہ ... میں تم لوگوں کو اس قابل نہیں چھوڑوں گا ... دوسری وجہ ... تم ان بادلوں کی وجہ سے پہلے ہی اپنی طاقت کھو چکے ہو ... جلد ہی بعد اپنی رہی سہی طاقت بھی کھو بیٹھو گے۔"

"میرے خیال میں تو تم بری طرح ناکام ہو چکے ہو ... ویسے کہو تو تمہارا نام بھی بتا دوں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"کیا کہا، تم میرا نام جانتے ہو، اور یہ کیا کہا، ہم ناکام ہو چکے ہیں ... انسپکٹر جمشید شاید تم جاگتے میں جواب دیکھنے لگے ہو۔"

"تجربہ کر لو، اس میں کون سی مشکل ہے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"کس میں۔"

"تجربہ کرنے میں۔"

"اچھا بتاؤ ... میرا نام کیا ہے۔"

"اس سے پہلے تمہیں بتانا ہو گا ... پروفیسر داؤد کے دماغ پر قبضے کیسے کیا گیا ... ہپناٹزم تو یہ ہو نہیں سکتا۔"

"اس غرض کے لیے یہ ایک خاص قسم کی چپ استعمال کی گئی ہے اسے آن آف کیا جا سکتا ہے یعنی جب چاہو آن آف کر کے اپنا کام لے لو ہدایات دے دو اور جب چاہو آف کر دو، آف کرنے کی صورت

میں پروفیسر داؤد کو یاد نہیں رہ جائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔"

"ہم اس کو درست مان لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

"اب تم بتاؤ ہم ناکام کیسے ہو گئے، ہم سو فیصد کامیاب ہیں۔"

"نہیں ایک فیصد بھی نہیں ... البتہ تم سو فیصد ناکام ہو چکے ہو۔"

"انسپکٹر جمشید، موت کے خوف نے تمہارے ہوش اڑا دیے ہیں۔"

"زندگی اور موت کا کھیل ہمارے لیے نئی بات نہیں لیکن ابھی جب میں اصل بات بتاؤں گا تو تمہارے ہوش ضرور اڑ جائیں گے لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"خیر ... تم اپنا دل مطمئن کر لو ... کیا بتانا چاہتے ہو۔"

"پہلی بات ... میں اس منصوبے کو اسی وقت بھانپ گیا تھا جب پروفیسر داؤد صاحب نے وہ آواز سنی تھی اور پروفیسر تہامی کا ذکر کیا تھا تب میں نے سب سے پہلے ایک کام کیا تھا۔"

"اور وہ کام کیا تھا۔" وہ ہنسا۔

اس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے ...

"میں نے ایک فون کیا تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کسے؟"

"انسپکٹر کامران مرزا کو۔"

"کیا کہا، انسپکٹر کامران مرزا کو ... بالکل غلط، انسپکٹر کامران مرزا کو تو تم نے بعد میں فون کیا تھا ... اپنے ساتھ ملانے کے لیے۔"

"نہیں ... وہ تو تم لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا تھا۔"

"لل ... لیکن ۔" محمود ہکلایا۔

"چپ رہو ۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں ابا جان ... یہ صاحب تو اس وقت ہمارے ساتھ تھے ہی نہیں ... آپ نے فون ضرور کیا تھا لیکن آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ فون انہیں دکھانے کے لیے کیا تھا۔"

"میں نے کہا تھا ... چپ ۔"

"جی اچھا ... چپ تو پھر چپ ہی سہی۔"

"یار محمود سمجھا کرو ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا سمجھا کرو۔" محمود نے اسے گھورا۔

"دیکھا ... باتوں میں لگا ہی لیا نا ۔" خان رحمان جھلا اٹھے ۔

"سس... سوری انکل ... اب نہیں بولیں گے ۔"

"کیا کہہ رہے تھے تم انسپکٹر جمشید !"

"یہ کہ میں نے فوری طور پر انسپکٹر کامران مرزا کو فون کیا تھا اور ان سے کہا تھا ۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے ۔

"کیا کہا تھا ۔" اس نے منہ بنایا ۔

"یہ کہ آپ چاروں فوری طور پر بالکل غائب ہو جائیں ، اپنے موبائل بھی بالکل آف کر دیں ، کسی سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہ رکھیں اور غیر محسوس طور پر ہمارے ساتھ ساتھ رہیں یعنی ہمارا سایہ بن کر ۔"

"غلط بالکل غلط ، ایسی کوئی بات نہیں ، ہم نے دور دور تک کا جائزہ لیا ہے ، آس پاس کوئی نہیں ہے ... چلو اب دوسری بات بتاؤ کہ ہم ناکام کیسے ہو گئے ۔"

"تم نے میری بات کو غلط قرار دیا ... تو پھر اب سنو ... پہلے میں تمہارا نام بتاتا ہوں کیونکہ تمہاری آواز سن کر میں نے پہلی فرصت میں جان لیا تھا کہ تم شنگ ہو ۔"

"کیا !!!"

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور خان رحمان ایک ساتھ چلائے لیکن پروفیسر داؤد کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ شاید وہ چپ کے زیر اثر تھے۔ البتہ شنگ ضرور چلایا تھا۔

اس کے منہ سے زور دار انداز میں نکلا تھا ۔ "نن ... نہیں ۔"

"مسٹر شنگ یہ تمہاری شکست ہے ۔"

"شکست کیسے ۔"

"تم اپنے گمان میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم تمہیں نہیں پہچان سکے ... تو کیا یہ تمہاری شکست نہیں ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

"خیر تم اسے میری شکست کہہ لو اور اپنے ایٹمی پلانٹ کی خیر مناؤ کیونکہ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اصل پلانٹ نہیں ہے۔"

"لیکن یہ قائم دائم ہے ... ہم یہاں موجود ہیں اور تم بھی ... ظاہر ہے جب تک تم یہاں ہو پلانٹ تباہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارے

ساتھ تم اپنی قربانی دے نہیں سکتے۔''

''تم فکر نہ کرو یہ بادل تمہاری موت ثابت ہوں گے، یہ تمہیں اتنا کمزور کر دیں گے کہ تم ہل بھی نہیں سکو گے، اس وقت تم اپنی آنکھوں سے ہمیں واپس واپس جاتے دیکھو گے اور وہ ہو گا تمہاری آخری شکست کا منظر۔''

''اللہ مالک ہے ویسے میں تمہاری خوش فہمی دور کیے دیتا ہوں۔''

''میری خوش فہمی تم دور کر وگے ... اچھا ذرا میں بھی تو سنوں۔''

''تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ ہم یہاں بے بس ہیں اور کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔''

''کیا مطلب ... ایسا نہیں ہے تو پھر کیسا ہے۔''

''میں تمہیں بتاتا ہوں ...'' یہ کہہ کر وہ ذرا دیر کے لیے رکے، پھر کہنے لگے۔

''کامران مرزا کیا آپ بادلوں کے دوسری طرف موجود ہیں۔''

''بالکل ہیں، کیوں نہیں۔'' دوسری طرف سے انسپکٹر کامران مرزا کی شوخ آواز سنائی دی۔

''بہت خوب ... وہ مارا۔'' محمود، فاروق اور فرزانہ چلاّئے۔

''تب پھر انسپکٹر کامران مرزا آپ ادھر ہی ٹھہریں... ان بادلوں میں داخل ہونا ٹھیک نہیں ... طاقت زائل ہونے لگی گی۔''

''ہم ادھر ہیں اور ضرورت پڑنے پر میدان میں کودنے کے لیے

بالکل تیار ہیں ... ہم نے ایک تجربہ بھی کیا ہے۔''

''اور وہ کیا؟''

''ان بادلوں کا آگ دکھائی جائے تو یہ اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔''

''ارے تو انہیں لائٹر کا شعلہ دکھا دیں نا۔''

''آپ کہتے ہیں تو دکھا دیتے ہیں، بیچارے کیا یاد کریں گے۔'' آفتاب کی آواز سنائی دی۔

''کون ... مسٹر شنگ۔'' فاروق نے پوچھا۔

''نہیں ... بادل۔'' آفتاب ہنسا۔

''حد ہو گئی ... اپنی باتیں شروع کر دیں۔'' انسپکٹر جمشید جھلا گئے۔

''آپ کہتے ہیں تو آپ کی باتیں شروع کر دیتے ہیں انکل۔'' آصف کی آواز سنائی دی۔

''خاموش ... دیکھتے نہیں ہم کس صورتِ حال سے دوچار ہیں۔''

اور پھر انہوں نے بادلوں کو سکڑتے سمٹتے اور غائب ہوتے دیکھا۔ ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف، فرحت نظر آ گئے ... وہ ان کی طرف آ رہے تھے۔

''اب کیا کہتے ہو مسٹر شنگ۔'' فاروق کی شوخ آواز ابھری۔

☆☆☆☆☆

اصل منصوبہ

شنگ نے ایک نظر ان پر دوسری انسپکٹر کامران مرزا کی طرف ڈالی، پھر اس نے مسکراتے ہوئے، پرسکون آواز میں کہا۔

"تم شاید بھول گئے ... میں شنگ ہوں۔"

"یہ تو ہم جان گئے ہیں ... تو پھر؟"

"روبوٹ والے کیس میں کیا تم اپنی مرمت بھول گئے۔"

"نہیں، لیکن اس کیس میں بھی کامیابی ہمیں ہوئی تھی اللہ کی مہربانی سے اور اس بار بھی کامیابی ہمارا مقدر بنتی نظر آ رہی ہے کیونکہ تمہارے بادل اڑنچھو ہو گئے ہیں اور اب ہم اپنے جسموں میں طاقت واپس لوٹتی محسوس کر رہے ہیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے، میں اکیلا ہی تم سب کے لیے کافی ہوں، جہاں تک تعلق ہے اس پلانٹ کی تباہی کا تو یہ تباہ ہو گا، تم بھی اس کے نیچے دفن ہو گے البتہ میں یہاں سے بحفاظت نکل جاؤں گا۔"

"وہ کیسے؟"

"میں نے ڈائنامائیٹ عمارت کے نچلے حصے میں نصب کر دیے ہیں ... تم سب کو ادھ موا کر کے، باندھ کر میں یہاں سے نکل جاؤں گا،

بالکل سیدھا سادہ پروگرام ہے۔"

"گویا مسٹر شنگ آپ کو یقین ہے کہ ہم سب کو آپ اکیلے شکست دے دیں گے۔"

"سو فیصد۔"

"آپ نے سنا انکل۔" فاروق نے اپنا رخ انسپکٹر کامران مرزا کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں سنا، ہم ان صاحب کو پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔"

"اور آپ نے یہ بھی سن لیا کہ ان کا پروگرام کس قدر خوفناک تک ہے۔" محمود کی آواز ابھری۔

"ہاں بالکل ... بلکہ ہولناک پروگرام ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں، انشاء اللہ ہم ان سے نبٹ لیں گے۔"

انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت جونہی نزدیک پہنچے، وہ ایک دوسرے کی طرف لپکے، گرمجوشی سے ملاقات ہوئی۔

"اللہ کا شکر ہے یہ ملاقات ایسے وقت میں ہوئی جب ہم ضرورت محسوس کر رہے تھے۔"

"تو ہم انتظار کیوں کریں ... معاملے کو طول کیوں دیں، ہمارے پاس پستول موجود ہیں، مسٹر شنگ ہمارے ملک کے دشمن ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا نے پستول نکال لیا ... دوسرے ہی لمحے انہوں نے شنگ کا نشانہ لے لیا ... اسی وقت وہ پکار اٹھا۔

"کامران مرزا مجھے نشانہ ضرور بناؤ لیکن یہ سوچ کر کہ تمہارے ساتھی زد میں نہ آئیں اور ہو گا ایسا ہی، میرا کام تھا خبردار کر دینا۔"

"ہاں یہی بات ہے انسپکٹر کامران مرزا، مسٹر شنگ پر گولی نہ چلائیے گا، وہ گولی ہم میں سے کسی کو لگ سکتی ہے، مسٹر شنگ گولیوں کے وار بچانے کے بہت ماہر ہیں اور بھی بہت فنون کے ماہر ہیں لہٰذا جلدی نہ کریں، تیل دیکھیں، تیل کی دھار دیکھیں۔" انسپکٹر جمشید نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔

"او کے ہم اس سے ہاتھوں اور پیروں سے لڑیں گے، گولی نہیں چلائیں گے۔"

"آؤ بھئی... آؤ۔" شنگ ہنسا۔

"تت... تو کیا انکل. پہلے آپ مقابلہ کریں گے۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا۔

"ہاں کیوں کیا بات ہے۔"

"میرا مطلب ہے ہم کسی حد تک ان کے لڑائی کے انداز کو جانتے ہیں... پہلے ہمیں ان کا مقابلہ کرنے دیں۔"

"بادلوں کی وجہ سے آنے والی کمزوری کا کیا کرو گی۔" انہوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اب کمزوری محسوس نہیں ہو رہی، پہلے صرف میں مقابلہ کرتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

انسپکٹر جمشید نے سب پر ایک نظر ڈالی اور پرسکون انداز میں شنگ کی طرف بڑھے... ساتھ ہی انہوں نے کہا۔

"مسٹر شنگ، سب لوگوں کو کیا تکلیف دیں، میں اور آپ مل کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے آپ کی شکست سب کی شکست ہو گی۔"

"نہیں میں نے یہ نہیں کہا کیونکہ میرے ساتھی کسی صورت اس بات کو منظور نہیں کریں گے۔"

"یہی بات ہے ابا جان۔" وہ ایک ساتھ پکار اٹھے۔

"تب پھر اس بات کا کیا مطلب ہوا۔"

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لڑے بغیر فیصلہ کر لیتے ہیں۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔" شنگ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میرے بچے تو اس سوال کا جواب یہ دیا کرتے ہیں کہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا لیکن میں یہ کہوں گا کہ ایسا ممکن ہے۔"

"کیسے... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"آپ پلانٹ تباہ نہ کریں ڈائنامائٹ ہٹا لیں... ہم آپ کو لڑے بغیر یہاں سے جانے کی اجازت دے دیتے ہیں، اس طرح آپ جان بچا کر لے جائیں گے اور ہمارا پلانٹ بچ جائے گا... یہ ہے تجویز۔"

"نہایت بھونڈی تجویز ہے۔" شنگ ہنسا۔

''وہ کیسے مسٹر شنگ۔''

''ہمارا اصل منصوبہ تمہارے ایٹمی پلانٹ تباہ کرنا ہے، اس کے بغیر میں کوئی بات نہیں مانوں گا، باقی رہی یہ بات کہ میں اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو یہ کوئی بات نہیں ... میں تو تم سب کو موت کی نیند سلا کر اور ڈائنا مائیٹ اڑا کر یہاں سے جاؤں گا۔''

''اچھی بات ہے مسٹر شنگ ... ہو جائیں پھر دو دو ہاتھ۔''

''جب دو دو ہاتھ کرنا ہی ہیں تو آپ باقی ساتھیوں کو ایک طرف کر دیں جہاں گولی لگنے کا امکان نہ ہو ... ہم دونوں مقررہ فاصلے میں فائر کریں گے ... یعنی پہلے میں آپ پر فائر کرتا ہوں آپ بچ کر دکھا دیں، پھر آپ فائر کریں میں بچ کر دکھاؤں گا ... اس مقابلے میں ظاہر ہے ہم میں سے ایک تو ضرور مارا جائے گا۔''

''منظور ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے فوراً خوش دلی سے کہا۔

سب لوگوں کو ایک طرف کر دیا گیا۔

میدان میں صرف شنگ اور انسپکٹر جمشید رہ گئے۔

اس وقت انسپکٹر کامران مرزا کے چہرے پر بہت بے چینی نظر آئی۔

اس بات کو انہوں نے فوراً ہی بھانپ لیا۔

''ابا جان آپ بے چین نظر آ رہے ہیں۔'' آفتاب نے پوچھا۔

''میں انسپکٹر جمشید کے لیے پریشان ہوں، ان پر ابھی بھی کمزوری کے آثار ہیں۔''

''ہاں یہ بات ہم بھی محسوس کر رہے ہیں۔''

اسی وقت شنگ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

''ہاں تو انسپکٹر جمشید ... پہلے آپ فائر کریں گے یا میں کروں۔''

''یہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔''

''تب پھر پہلے آپ کر لیں۔'' شنگ مسکرایا۔

اس وقت انہوں نے محسوس کیا، وہ واقعی بہت دلیر تھا پر اعتماد تھا ... ورنہ پہلے انہیں کیوں فائر کرنے دیتا، پہلے فائر کرنے والا تو ظاہر ہے فائدے میں رہتا۔

انسپکٹر جمشید نے پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا ... وہ پورا بھرا ہوا تھا ... انہوں نے کہا: ''میرے پستول میں بارہ گولیاں ہیں ... بارہ ہی گولیاں آپ بھی چلائیں گے۔''

''ٹھیک ہے میرے پستول میں بھی بارہ ہیں۔'' شنگ نے کہا۔

''تیار!'' انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد ہو گیا۔

ان سب کی آنکھیں ان دونوں پر جم گئیں اور دل زور زور سے دھڑکنے لگے۔

آخر انسپکٹر جمشید نے پہلا فائر کیا اور خوب سوچ سمجھ کر کیا۔ وہ اسے کوئی موقع نہیں دینا چاہتے تھے، وہ ایک خطرناک ترین دشمن تھا۔

اور پھر ان سب نے دیکھا ... فائر سے اس نے خود کو بہت پرسکون طریقہ سے بچایا تھا، زیادہ اچھلنے کودنے کی کوشش نہیں کی تھی بس بدن کو

ذرا سا ترچھا کیا تھا اور گولی گویا اس کے کپڑوں کو چھو کر گزر گئی تھی۔

"بہت خوب مسٹر شنگ ... ماننا پڑے گا آپ کو۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی تعریف کی ...

"شکریہ انسپکٹر۔" وہ فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

"یہ لو پھر دوسری گولی۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے ایک بار پھر فائر کیا اور پوری توجہ سے نشانہ لے کر فائر کیا ... لیکن ان کی یہ گولی بھی ضائع گئی۔

"بھئی انسپکٹر جمشید ... یوں مزہ نہیں آرہا۔" شنگ نے منہ بنایا۔

"تب پھر؟"

"مسلسل فائر کریں ..."

"او کے اب دس فائر مسلسل کروں گا، پھر نہ کہنا خبر نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک ہے۔" شنگ کی آواز ابھری۔

اب پھر ان کے ساتھیوں کے دل دھک دھک کر اٹھے

اسی لمحے تڑا تڑ گولیاں برسنا شروع ہو گئیں۔

اب انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، شنگ گویا ہوا میں اڑ رہا تھا، ہوا میں رخ بدل رہا تھا، یہاں تک کہ ان کا پستول خالی ہو گیا۔

فائرنگ رکتے ہی شنگ اپنی جگہ پر اپنے پیروں پر پرسکون انداز میں کھڑا نظر آیا۔

ان کے رنگ اڑ گئے ...

اس کے مقابلے میں انسپکٹر جمشید بالکل ناکام رہے تھے ...

"اور اب انسپکٹر جمشید ... میری باری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ کی جگہ میں لے لیتا ہوں۔" ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے بے چین ہو کر کہا۔

"نہیں یہ مقابلے کے اصول کے خلاف ہے۔" انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلایا۔

"اگر مسٹر شنگ اجازت دے دیں تو یہ خلاف ورزی نہیں ہو گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" شنگ نے فوراً کہا اور ساتھ میں مسکرایا۔

"لیکن مجھے اعتراض ہے۔" انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ مقابلہ میں ہی کروں گا، ہاں میری موت کی صورت میں آپ کریں گے۔"

"تیار۔" شنگ نے منہ سے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

ان کے بدنوں میں سنسنی دوڑ گئی ...

شنگ ان کا نشانہ لے چکا تھا اور انسپکٹر جمشید کی نظریں پستول کی نال پر تھیں۔ اور پھر اس نے فائر کر دیا۔

دوسرا لمحہ شنگ کیلئے حیرت کا تھا۔

انسپکٹر جمشید نے بھی اسی کے انداز میں خود کو گولی سے بچایا تھا۔

"بہت خوب ۔" شنگ کے منہ سے نکلا ۔

"دوسرا فائر کریں ۔"

اس نے دوسرا فائر کیا ... انسپکٹر جمشید اسے بھی بچا گئے ...

"یوں مزہ نہیں آرہا۔" انہوں نے کہا۔

شنگ نے حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا ... اس کے منہ سے نکلا۔ "تو پھر ؟"

"آپ بھی پے در پے فائر کریں مسٹر شنگ ۔"

"نہیں ۔" مارے حیرت کے اس نے کہا۔

"نہیں کیا ؟"

"میرا خیال تھا اس فن کا دنیا میں بس ایک میں ہی ماہر ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ مسٹر جیرال سے واقف نہیں ہیں ، جیرال بھی اس فن میں کسی سے کم نہیں ہیں ۔"

"جیرال ... اوہ ہاں ان کا نام بہت سنا ہے ، کبھی ملاقات نہیں ہوئی ... ویسے میری ایک خواہش ہے ۔"

"اور وہ کیا ؟" فرزانہ نے جلدی سے پوچھا ۔

"یہ کہ کسی مہم میں ان کے ساتھ ہوں اور مقابلہ بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہو ۔"

"آخر ہم نے آپ لوگوں کا بگاڑا کیا ہے ، جسے دیکھو ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے ۔" خان رحمان نے برا سا منہ بنایا۔

"کیونکہ مقابلے کا لطف تو آپ ہی لوگوں کے ساتھ آتا ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا ، فائر کریں ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ ہاں ہم تو باتوں میں ہی کھو گئے ... لو سنبھلو انسپکٹر اور میرا خیال ہے یہ تمھاری زندگی کے آخری لمحات ہیں ، چاہو تو اپنے ساتھیوں سے آخری بار مل لو ... انہیں الوداع کہہ لو ، کسی کیلئے یا اپنی بیوی کیلئے کوئی پیغام دینا ہے تو دے دو ۔"

"آپ پھر باتوں میں لگ گئے ۔"

"اچھی بات ہے ... تیار !" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں پہلے ہی تیار ہوں ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

شنگ نے ان کا نشانہ لے لیا ... ان سب کے دل ایک بار پھر زور سے دھڑکے ، کچھ بھی ہو ، انسپکٹر جمشید کتنے بھی ماہر ہوں ، شنگ بھی آخر اپنے میدان کا کھلاڑی تھا اور اگلے لمحے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

ان حالات میں ان کے دل کیوں نہ دھڑکتے ۔

اور پھر تڑاتڑ فائر ہوئے ... انسپکٹر جمشید ہوا میں اڑتے اور ہوا میں ہی رخ بدلتے نظر آئے ... یہاں تک کہ شنگ کا پستول خالی ہو گیا ۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا ہو گا۔" اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی ...

"تو اب سوچ لیں ... روکا کس نے ہے ۔"

"خیر ... ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔" اس نے گاڑھی اردو

میں کہا۔

’’ہائیں ہائیں یہ کیا، یہ مصرعہ تو آپ نے بالکل اہلِ زبان کی طرح ادا کیا ہے۔‘‘

’’میں اردو کا ماہر ہوں۔‘‘ وہ مسکرایا۔

’’اوہو اچھا۔‘‘

’’اور بھی کئی زبانوں کا ماہر ہوں ... یہاں تک کہ پرانی بھولی ہوئی کتابوں کا ترجمہ بھی کر لیتا ہوں۔‘‘

’’اوہو ... اچھا۔‘‘ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

’’اتنے بھی حیران نہ ہوں کہ میرے مقابلے میں کسی کام کے نہ رہ جائیں ... اب کس طرح مقابلہ کرنا ہے۔‘‘

’’مسٹر شنگ یہ آپ بتائیں ... اس مقابلے میں شکست آپ کی ہوئی ہے۔‘‘ خان رحمان مسکرائے۔

’’خیر یہ تو نہیں کہا جائے گا۔‘‘ شنگ نے منہ بنایا۔

’’ہاں یہ ٹھیک ہے، خیر پھر بھی آپ بتائیں اب فیصلہ کس طرح کرنا ہے۔‘‘

’’جیسے جی میں آئے کر لیں ... میں میدان میں کھڑا ہوں اور تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ کسی بھی طرف کسی بھی طرح حملہ کرو، چاہے سب مل کر مجھ پر حملہ کر دیں ہتھیاروں سے کر دیں یا بغیر ہتھیاروں کے، کوئی شرط نہیں ہے، آپ لوگ پوری طرح آزاد ہیں۔‘‘

’’مطلب یہ کہ آپ ہمیں کھلی چھٹی دے رہے ہیں۔‘‘ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

’’بالکل۔‘‘

’’تب پھر ترکیب نمبر 13۔‘‘ فاروق چہکا۔

’’یہی مناسب رہے گا۔‘‘ انسپکٹر جمشید نے اس کی تائید کی۔

’’ترکیب نمبر 13 ... یہ کیا۔‘‘

’’ابھی آپ دیکھ ہی لیں گے۔‘‘ آفتاب نے شوخ آواز میں کہا۔

’’لیکن!‘‘ ایسے میں انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

’’ہاں لیکن ...‘‘ انسپکٹر کامران مرزا نے بھی اسی انداز میں کہا۔

’’یہ دو عدد لیکن کہاں سے نکال لائے آپ۔‘‘ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

’’ترکیب نمبر 13 میں ہم دونوں اور خان رحمان تم لوگوں کا ساتھ نہیں دیں گے ... تم ہی لڑو گے۔‘‘

’’اوہ اچھا۔‘‘

’’تب پھر کیا رزلٹ نکلا۔‘‘ پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

’’لیجیے ... پروفیسر انکل بھی بات چیت کرنے کے قابل ہو گئے .. کیا ان کے دماغ میں فٹ کی گئی چپ کی کارکردگی رک گئی ہے۔‘‘

’’پتا نہیں، اسے بعد میں دیکھیں گے۔‘‘ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا

اور پھر وہ شنگ کے چاروں طرف آ کھڑے ہوئے۔

محمود اپنے جوتے کی ایڑی سے چاقو نکال کر ہاتھ میں لے چکا تھا۔

یہ ننھا سا ہتھیار تو اس کے ہاتھ میں تھا ... فاروق نے جیب سے اپنی ٹائی نکال لی تھی ... فرزانہ البتہ خالی ہاتھ تھی۔

ادھر آفتاب ، آصف اور فرحت بھی خالی ہاتھ تھے۔

بہرحال وہ مقابلے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔

ایسے میں محمود نے کہا۔

''ایک دو تین۔''

☆☆☆☆☆

ایک اور موقع

وہ ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگے۔

ان کے چہروں پر اب بلا کی سنجیدگی تھی۔ نظریں شنگ پر جمی تھیں۔

شنگ بھی انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا ... اس کے نزدیک ان کا لڑنے کا یہ انداز کچھ عجیب سا تھا۔

''کیا ارادے ہیں بھئی۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''آپ ہی نے تو دی ہے ہمیں کھلی چھٹی۔'' فاروق مسکرایا۔

''ہاں وہ تو دی ہے لیکن تم کرنا کیا چاہتے ہو۔'' اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''حملہ ... ہم آپ پر ایک ساتھ حملہ آور ہوں گے لیکن ہمارا حملہ ذرا اور قسم کا ہوتا ہے۔''

''دیکھتا ہوں تمہارے حملے کو ... ویسے میں دشمن کا کوئی لحاظ کرنے کا قائل نہیں ... میرے ہاتھ جو بھی لگا ، جس پر بھی میرا وار چل گیا تو بس سمجھ لو وہ گیا۔'' اس نے شوخ آواز میں کہا۔

''کیا سمجھ لیں ... وہ کہاں گیا۔''

"ہوش وحواس کی دنیا سے دور۔"

اور پھر وہ یک دم اس کے بالکل نزدیک پہنچ گئے ... محمود نے اس کے دائیں بازو کو تھام لیا آصف نے بائیں کو، فاروق نے دائیں ٹانگ کو تو آفتاب نے بائیں ٹانگ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"ارے ارے ... یہ کیا کر رہے ہو؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"قابو میں کر رہے ہیں۔"

اب فرزانہ اپنی جگہ سے اچھلی اور اس کی گردن میں دونوں بازو ڈال کر لٹک گئی ... رہ گئی فرحت، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ... پورے زور سے اچھلی اور اپنا سر اس کے ناک پر دے مارا ... اس کا سر ناک پر پورے زور سے لگا... شنگ بری طرح لڑکھڑایا ... اس کے منہ سے مارے تکلیف کے نکلا۔

"اوہ ... اوہ۔"

ساتھ ہی اس نے جھلا کر اپنے جسم کو ایک زور دار جھٹکا مارا۔

ان پانچوں نے اگرچہ اسے پوری قوت سے جکڑا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود اس جھٹکے کے وہ گویا ہوا میں اڑتے ہوئے ادھر ادھر گرے۔

ان کے منہ سے چیخیں نکل گئیں ...

اب سامنے کھڑی رہ گئی فرحت جس نے اس کے ناک پر ٹکر رسید کی تھی ... اس کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا اور پورے زور سے فرحت کے سر کی طرف بڑھا ...

فرحت اس لمحے اگر حرکت میں نہ آگئی ہوتی تو وہ ماری گئی تھی کیونکہ شنگ نے طیش میں آکر وار کیا تھا۔

وہ لڑھک گئی اور لڑھکتے ہوئے اس سے دور چلی گئی ...

اب انہوں نے دیکھا ... شنگ کے ناک سے خون بہہ رہا تھا ...

اس نے بھیانک انداز میں کہا۔

"نہیں چھوڑوں گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اس کی طرف جھپٹا ...

فرحت نے دوڑ لگا دی ... عین اس لمحے شنگ منہ کے بل دھڑام سے گرا کیونکہ محمود کی ٹانگ چل گئی تھی جب کہ اس کی پوری توجہ فرحت کی طرف تھی ... اور یوں لگتا تھا جیسے وہ فرحت کو کچا ہی چبا جائے گا ...

جونہی وہ منہ کے بل گرا، ان سب نے ان اٹھ کر اسے چھاپ لیا اور پھر جونکوں کی طرح چمٹ گئے ... فرحت ایک بار پھر اس کی طرف دوڑ کر آئی اور دائیں پاؤں کی ٹھوکر اس کے سر پر رسید کر دی۔

وہ ابھی گر کر ہی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ یہ دوسری چوٹ اسے وصول کرنی پڑ گئی ... وہ بری طرح ڈکرایا...

"نہیں چھوڑوں گا۔"

"انکل شنگ ناراض تو نہ ہوں ... بے شک نہ چھوڑیے گا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

فرحت پاؤں کی ٹھوکر رسید کر کے شنگ سے دور چلی آئی تھی اور

اب پھر دوسرا وار کرنے کے لیے پر تول چکی تھی۔

ادھر وہ پانچوں اس سے بری طرح چٹے ہوئے تھے۔

پھر جونہی فرحت نزدیک آئی ، اس نے اپنے جسم کو ایک زور دار جھٹکا مارا ... وہ سب اس سے نہ صرف الگ ہو گئے بلکہ دور تک لڑھکتے چلے گئے ... ادھر فرحت نزدیک آ چکی تھی۔

اس کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا اور فرحت کے دائیں پہلو پر لگا ... وہ اونچا اچھلی اور دور جا کر گری ...

اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ بہت دلدوز تھی ...

انہوں نے دیکھا ... وہ بالکل ساکت ہو چکی تھی ...

'' نن ... نہیں ۔'' ان پانچوں کے منہ سے نکلا۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ فرحت کی طرف بڑھتے ... انسپکٹر جمشید کی سرد آواز گونجی : '' خبردار ! ''

انہوں نے دیکھا ،شنگ ان کی طرف رخ کر چکا تھا ، اگر وہ فرحت کی خبر لینے کیلئے اس کی طرف چلے گئے ہوتے تو مارے گئے تھے ۔

شنگ ان کے بالکل نزدیک پہنچ چکا تھا ... انہوں نے ایک بار پھر دوڑ لگا دی اور اس سے دور ہوتے چلے گئے۔

ادھر اس نے گویا ان کی پروا تک نہیں کی۔

فرحت کی طرف بڑھتا چلا گیا اور ایسے میں وہ ایک بار پھر اوندھے منہ گرا کیونکہ انسپکٹر کامران مرزا اس کے اور فرحت کے درمیان آ گئے

تھے ... اس نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ ... انسپکٹر کامران مرزا پر ٹوٹ پڑا۔

اس کا مکا انکے جبڑے کی طرف آیا تھا لیکن وہ جھکائی دے گئے۔

ساتھ ہی وہ نیچے جھکا اور سر کی ٹکر انہیں دے ماری ...

اس کا یہ وار کارگر رہا ... انسپکٹر کامران مرزا اچھل کر دور جا گرے لیکن فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب وہ اس کے سامنے کھڑے تھے ...اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا لیکن شاید اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی ...

ایسے میں انسپکٹر جمشید غیر محسوس طور پر اس کی کمر کی طرف آ گئے کیونکہ چھوٹی پارٹی میں حرکت کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے ...

لیکن اس وقت انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے جب اس نے چونک کر پیچھے دیکھا گویا اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کوئی پیچھے آ کھڑا ہوا ہے۔

اب ایک طرف کامران مرزا تھے اور دوسری طرف انسپکٹر جمشید۔

ان حالات میں خان رحمان آگے بڑھے اور اس کے دائیں پہلو پر آ کھڑے ہوئے ... اس نے انہیں بھی دیکھ لیا۔

'' اب تم لوگ مجھ پر کس طرف سے حملہ کرو گے ۔''

'' تم نے خود ہی کہا تھا مسٹر شنگ کہ جس طرح چاہو حملہ کرو ... اب بھی اگر تم کہو تو ہم ایک ایک کر کے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں تاکہ تم کل یہ نہ کہہ سکو کہ مجھ پر ایک ساتھ حملہ کیا گیا تھا۔''

'' ایسی کوئی بات نہیں ... میں گلہ نہیں کروں گا۔''

"شکریہ مسٹر سنگ۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"سنگ نہیں شنگ۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ہمیں ایک موقع اور دیں۔" فرزانہ نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"کیا مطلب کیسا موقع ..."

"ہم دیکھنا چاہتے ہیں ... آپ ہمیں ایک بار پھر جھٹک کر اپنے سے الگ کر سکتے ہیں یا نہیں۔"

"چاہے دس بار ایسا تجربہ کر لو۔" وہ ہنسا۔

"دس بار تجربہ کر کے ہم کیا کریں گے، ایک بار ہی بہت ہے۔"

"آؤ ... اور مجھے پکڑ لو۔"

انہوں نے اپنے طریقے کے مطابق ایک بار پھر اسے پکڑ لیا۔

محمود نے دایاں بازو، آصف نے بایاں، فاروق نے دائیں ٹانگ اور آفتاب نے بائیں ... فرزانہ معمول کے مطابق دوڑ کر آئی اور اچھل کر اس کی گردن سے لٹک گئی ... فرحت اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار۔

عین اسی لمحے فرزانہ کو ایک خیال آیا۔

اس نے گردن پر سے دایاں بازو ہٹا لیا، بایاں رہنے دیا ...

"کیا ہوا ... پروگرام میں تبدیلی کر لی؟" شنگ ہنسا۔

"نن نہیں ... ایک بات سوجھی ہے کہ گردن کے ساتھ کیوں نہ دوسرے ہاتھ سے آپ کے بال پکڑ لوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"میں بالوں کے اعتبار سے کمزور نہیں ہوں ... بالوں کو جھٹکا دوں گا تو تمہارے ہاتھ سے ایسے نکل جائیں گے جیسے مکھن سے بال۔"

"بہت خوب ... لیکن تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے۔"

"ضرور کرو ... کوئی پرواہ نہیں۔"

فرزانہ نے دوسرے ہاتھ میں اس کے بال جکڑ لیے۔

"چلو فرحت ... وار کرو۔"

"میں آ رہی ہوں ... ہوشیار رہو۔"

فرحت نے بلا کی رفتار سے شنگ کی طرف دوڑ لگا دی اور سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں دے ماری۔

وہ ان پانچوں سمیت زور سے ہلا۔

اس کے ہلتے ہی انہوں نے مل کر زور لگایا اور اسے زمین سے اوپر اٹھا لیا اور جونہی وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوئے انہوں نے اسے آگے کی طرف گرا دیا۔

وہ منہ کے بل گرا... اس کے ساتھ ہی وہ بھی گرے۔

فرزانہ تو تھی ہی اس کی پشت کی طرف، وہ اس کی کمر پر آ رہی۔

گرتے ہی اس کا بازو اس کی گردن سے کھل گیا...

"نن ... ہا ہا ہا۔" شنگ کے منہ سے عجیب وغریب قسم کی ہنسی نکلی۔

"مسٹر شنگ ہنس رہے ہو ہم پر۔"

"نن ... ایک منٹ۔" یہ کہتے ہی اس نے زبردست جھرجھری لی۔

اور وہ اس سے اس طرح الگ ہو گئے جیسے کوئی دیو قامت شخص اپنے بدن پر سے چیونٹیوں کو جھاڑ دے۔

انہوں نے پھر اسے پکڑ لیا... ایسے میں اس کے منہ سے نکلا۔

"نن... ہاہاہا۔"

اس کے منہ سے اب پھر ویسی ہی عجیب وغریب ہنسی نکلی تھی۔

ادھر فرحت نے اس کی طرف دوڑ لگا دی۔

ساتھ ہی شنگ نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور ان پانچوں کو اپنے ساتھ لیتا ہوا فرحت کی زد سے صاف بچ نکلا... فرحت اپنی جھونک میں آگے نکل گئی... ادھر اس نے اپنے جسم کو جھٹکا مارا...

اس بار کا جھٹکا خوف ناک تھا... وہ بہت دور اور بہت اونچائی سے نیچے گرے اور ساکت ہو گئے۔ وہ بجلی کی تیزی سے مڑا اور فرحت سے ٹکرایا... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ بھی ساکت ہو گئی۔

"لیجیے انسپکٹر صاحبان اور مسٹر خان رحمان، تم لوگوں کے چھوٹے ساتھی تو ہو گئے بیکار... تو پھر آجاؤ تم بھی... اب زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس... پلانٹ میں دھماکے شروع ہونے سے پہلے پہلے ہمیں یہاں سے جانا ہے۔"

"کیا کہا... ہمیں؟؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مطلب یہ ہے کہ یہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" خان رحمان بھی مسکرائے۔

"نہیں خان رحمان۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"نہیں خان رحمان... مسٹر شنگ کا یہ مطلب نہیں تھا۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اس کے مقابل کھڑے ہو گئے۔

"کیا خیال ہے جمشید... میں بھی ساتھ ہی مقابلے پر آ جاؤں بلکہ پہلے میں مقابلہ کر لیتا ہوں۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"اچھی بات ہے... یونہی سہی۔"

"اور تم تین ہی باقی ہو... اس کے بعد میدان صاف۔" شنگ کی سرد آواز ابھری۔

"اللہ مالک ہے۔"

انسپکٹر جمشید پیچھے ہٹ آئے...

پروفیسر داؤد اور پروفیسر شہابی ایک طرف ساکت کھڑے تھے اور ساکت و جامد چھوٹی پارٹی کو دیکھے جا رہے تھے...

"جمشید میں ذرا ان کی خبر لے لوں۔" پروفیسر کی آواز ابھری۔

"نہیں پروفیسر صاحب... اس طرح خان رحمان کا دھیان بھی ان کی طرف چلا جائے گا... جو چوٹیں انہیں آنا تھیں آ گئیں... ہمارے خبر لے لینے سے انہیں فوری طور پر آرام تو آ نہیں جائے گا اور یہ مسئلہ ہے زندگی اور موت کا... پورے ملک کی زندگی اور موت کا... اگر آج مسٹر شنگ ہمارا پلانٹ تباہ کر دیتے ہیں تو ہمارا ملک پھر سے شارجستان کی دھمکیوں کی زد پر آ جائے گا... چلو خان رحمان سوچ سمجھ کر مقابلہ

کرو۔''

''فکر نہ کرو جمشید۔''

خان رحمان نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا اور پھر نہایت مہارت سے شنگ کی طرف بڑھے، شنگ انہیں اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ ان کی طرف دیکھ رہا ہو...

خان رحمان شنگ کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اچانک تڑسے گرے اور اسی حالت میں انہوں نے دائیں ٹانگ پوری قوت سے گھما دی۔

یہ ان کا خاص وار تھا۔ شنگ کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح وار کریں گے لہٰذا یہ ٹانگ اسے وصول کرنا پڑگئی۔ وہ دھڑام سے گرا...

''بہت خوب خان رحمان۔'' انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے دیکھا... شنگ اٹھ رہا تھا۔

''خان رحمان رک کیوں گئے... یہی تو وقت ہے وار کرنے کا... اس سے آسانی سے اٹھا نہیں جا رہا۔''

خان رحمان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

ان کے چہرے پر انہیں شدید تکلیف کے آثار نظر آئے۔

''کیا ہوا خان رحمان... خیر تو ہے۔''

انہوں نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا... ادھر اس وقت تک شنگ اٹھ چکا تھا... انہوں نے سنا، وہ کہہ رہا تھا:

''اس میں شک نہیں انسپکٹر جمشید۔'' اس کی آواز میں شوخی تھی۔

''کس میں شک نہیں۔''

''اس میں کہ تمہارے دوست کا وار زبردست تھا لیکن جب لوہے جتنی سخت چیز پر اس قدر زبردست لات ماری جائے گی تو اس لات کا کیا بنے گا... یہ سوچو۔''

''جمشید... مم...'' ان کے منہ سے بوکھلائی ہوئی آواز میں نکلا۔

ادھر شنگ نے گویا اڑتے ہوئے ان پر چھلانگ لگائی...

خان رحمان اچھل کر دور جا گرے... ساتھ ہی ساکت ہو گئے۔

ماحول پر سکتہ طاری ہو گیا... ان کے رنگ اڑ گئے...

آخر انسپکٹر کامران مرزا کی آواز نے ان میں زندگی کی لہر دوڑائی:

''کوئی بات نہیں... پھر کیا ہوا۔''

یہ کہتے ہوئے انہوں نے شنگ کی طرف دوڑ لگا دی...

شنگ کو ان کی طرف سے اس قدر جلد حرکت میں آنے کی امید نہیں تھی... ایک لمحے کے لیے وہ گھبرا گیا اور یہی لمحہ انسپکٹر کامران مرزا کے کام آ گیا... ان کے سر کی ٹکر اس کی ٹھوڑی پر لگی...

شنگ کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی... وہ لڑکھڑا گیا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے بھی انتظار نہ کیا۔

اتنے میں انسپکٹر کامران مرزا دوسرے ہاتھ کا مکا اس کی طرف اچھال چکے تھے لیکن ان کا یہ وار خالی گیا... نہ صرف یہ کہ خالی گیا بلکہ

مکا اس کے ہاتھ میں آگیا۔

انہوں نے محسوس کیا اس کی گرفت فولادی ہے، اس لیے انہوں نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی بلکہ دوسرے ہاتھ کا مکا اس کی ٹھوڑی پر پوری طاقت سے رسید کر دیا۔

یہ مکا بہت ہی بچے تلے انداز میں تھا، شنگ نے فوراً ہی ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کے دونوں ہاتھ ٹھوڑی پر جا لگے۔

ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے اس پر چھلانگ لگائی۔

شنگ ٹھوڑی کو بھول کر فوراً حرکت میں آیا اور انہیں فضا میں ہی دونوں ہاتھوں پر روک کر پوری قوت سے اچھال دیا۔

وہ ہوا میں اڑتے ہوئے بہت دور جا کر گرے اور ساکت ہو گئے۔

''اور انسپکٹر جمشید ... اب رہ گئے صرف تم۔''

''ہاں صرف میں رہ گیا تو کیا ہو ... حوصلہ ہارنا تو ہم نے سیکھا نہیں ... مقابلہ ہو گا اور خوب ہو گا، جان رہے یا جائے۔'' انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا۔

''آؤ آؤ ... ابھی آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔''

اور پھر دونوں آمنے سامنے آگئے ... ان کی نظریں ایک دوسرے پر جم گئیں:

''انسپکٹر جمشید، آج کا مقابلہ آپ کو ساری زندگی یاد رہے گا۔''

''زندگی رہے گی تو یاد رہے گا، ویسے پروگرام ہمیں زندہ چھوڑنے

کا ہے کب؟''

''ہاں یہ بات بھی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''چلو پھر دیر کا ہے کی ... ہو جائیں دو دو ہاتھ۔''

''انسپکٹر جمشید ... مقابلے کو طول کیا دینا ... آزادانہ جنگ لڑ لیتے ہیں جلدی فیصلہ ہو جائے گا ... یہ لو میں شروع کر رہا ہوں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا جسم گویا پھرکی کی طرح حرکت میں آ گیا ... اس کے ہاتھ اور پاؤں بھی مشینی انداز میں چل رہے تھے ... انہیں بھی اسی رفتار سے حرکت میں آنا پڑا ...

اب دھواں دھار مقابلہ شروع ہوا ...

مکے اور لاتیں گویا بارش کی طرح برس رہی تھیں ... دونوں برابر چوٹیں کھا رہے تھے، اس کے باوجود موسلا دھار انداز میں ان کی جنگ جاری تھی ... اچانک ایک بھرپور مکا انسپکٹر جمشید کی ناک پر لگا۔

انہوں نے ان کے ناک سے خون نکلتے دیکھا۔

اسی وقت ان کا مکا اس کی ٹھوڑی پر لگا ... وہ اچھل کر گرا۔

عین اسی لمحے انسپکٹر جمشید اسے چھاپ بیٹھے، ساتھ ہی ان کے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر آجمے۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، پوری قوت صرف کرنے لگے۔

شنگ اب بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا ... اس نے دو تین بار جسم کو زبردست جھٹکے دیے اور انہیں اپنے اوپر سے گرانے کی کوشش کی

لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

پھر اچانک اس کے دونوں پاؤں ان کی گردن پر آ جمے ...

اس نے ان کے اوپر کی طرف زور لگانا شروع کر دیا۔

انسپکٹر جمشید کا بدن اوپر اٹھنے لگا ... وہ اس کوشش میں تھا کہ انہیں اس حد تک اوپر اٹھا دے کہ اس کی گردن چھوٹ جائے۔

باقی سب ساتھی دہشت زدہ انداز میں ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان بھی اس قابل ہو گئے تھے کہ اس لڑائی کو دیکھ سکتے۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہے تھے اور پھر انہوں نے دیکھا۔

شنگ نے انہیں اپنے اوپر سے اچھال دیا تھا، ساتھ ہی اس نے زبردست قسم کی پلٹیاں کھائی تھیں اور ان کے اوپر جا پڑا تھا۔

اب اس کے دونوں ہاتھ ان کے گلے پر جم گئے اور وہ لگا زور لگانے ... ایسے میں اس نے کہا۔

"لو انسپکٹر جمشید اب تم گئے کام سے اور انسپکٹر جمشید کے ساتھیوں، تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کی مدد کر سکتا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے ... آجاؤ کر لو مدد۔"

ان الفاظ کو سن کر ان سبھی نے حرکت کرنے اور اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش شروع کر دی لیکن ان میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہو سکا۔

فرزانہ نے البتہ اٹھنے کی بجائے رینگنے کی کوشش کی اور وہ شنگ

سے نزدیک ہونے لگی۔

"ہاہاہا ... انسپکٹر جمشید ان میں سے کوئی بھی کھڑا نہیں ہو سکا اور تمہاری بیٹی کس قدر لاچاری سے گھسٹ رہی ہے ... دیکھو دیکھو ... اس کے چہرے پر کس قدر بے چارگی ہے۔"

ان سب نے دیکھا ... فرزانہ واقعی بہت مشکل سے آگے سرک رہی تھی چیونٹی کی رفتار سے ... ان حالات میں انسپکٹر جمشید کے منہ سے گھٹی گھٹی آواز نکلی: "فرزانہ میری بچی تکلیف ہو گی، اپنی جگہ ٹھہری رہو۔"

"نن نہیں ابا جان۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

شنگ بدستور زور لگا رہا تھا ... وہ اپنے پورے جسم کی طاقت گویا اپنے بازوؤں میں سمیٹ لے آیا تھا ... ان حالات میں انسپکٹر جمشید کے دونوں پاؤں شنگ کی گردن پر آ جمے ... اب پہلے والا منظر تھا لیکن اس وقت شنگ نیچے تھا اب اوپر ...

دوسری طرف فرزانہ بدستور ان کی طرف رینگ رہی تھی۔

"فرزانہ رک جاؤ، کیا کر لو گی تم آگے جا کر۔" خان رحمان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

فرزانہ نے جیسے سنا ہی نہیں ... بس مسلسل آگے رینگتی رہی اور آخر وہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گئی۔

اس وقت تک انسپکٹر جمشید شنگ کی گردن کو کافی اوپر اٹھا چکے تھے اور ان کی گردن پر اس کا دباؤ کسی حد تک کم ہو چکا تھا لیکن ابھی کامیابی

دور تھی ... آخر فرزانہ ان تک پہنچ گئی۔

وہ اسی طرح رینگتے ہوئے شنگ کی کمر سے لپٹ گئی۔

''ہاہاہا... کیا کر لو گی تم۔''

فرزانہ نے کوئی جواب نہ دیا...

اور پھر ایک عجیب بات ہوئی... بہت ہی عجیب۔

شنگ کے منہ سے وہی عجیب وغریب ہنسی کی آواز نکل گئی۔

''نن ... ہاہاہا۔''

☆☆☆☆☆

بم

اس کی ایسی عجیب ہنسی وہ دوسری تیسری بار سن چکے تھے ...

یہ تیسرا موقع تھا ...

ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کی گردن پر سے اس کے دونوں ہاتھ الگ ہو گئے ... ادھر اس کے منہ سے بدحواسی کے عالم میں نکلا۔

''نن ... ہاہاہا ... ہٹ جاؤ ... ہٹ جاؤ ... مجھے چھوڑ دو۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک زوردار جھٹکا مارا لیکن وہ فرزانہ کو خود سے الگ نہ کر سکا ... وہ بے حال ہوا جا رہا تھا۔

ادھر جونہی انسپکٹر جمشید کی گردن چھوٹی ... انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی دونوں پسلیوں پر وار کیا ... پھر وہ وار کرتے چلے گئے۔

فرزانہ جو کارروائی کر رہی تھی، اس کی وجہ سے اس کی حالت پہلے ہی پتلی ہو چکی تھی ... اب جو پے درپے وار اسے وصول کرنے پڑے تو وہ بالکل ہی ادھ موا ہو گیا ... اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

بس پھر کیا تھا... باقی سب ان کی طرف دوڑ پڑے۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے اس کی گردن دبوچ لی۔

"عمل جاری رکھو فرزانہ۔" ان کی سرد آواز ابھری۔

"جو حکم ابا جان۔" اس کی شوخ آواز سنائی دی۔

نزدیک آنے پر انسپکٹر کامران مرزا نے ایک ٹھوکر اس کے سر پر رسید کی... اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔

"بس کرو بس کرو... چھوڑ دو شنگ کو۔"

انہوں نے پروفیسر شہابی کی آواز سنی...

اور وہ آواز دوستانہ نہیں تھی... بلکہ بہت سرد تھی۔

انہوں نے شنگ کو تو نہ چھوڑا، البتہ حیران ہو کر پروفیسر شہابی کی طرف ضرور دیکھا، جبکہ انسپکٹر جمشید کے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ تھی۔

انہوں نے دیکھا پروفیسر شہابی کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کا رخ ان کی طرف تھا۔

"سنا نہیں میں نے کہا ہے مسٹر شنگ کو چھوڑ دو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"آپ سے برا تو یہاں پہلے بھی کوئی نہیں پروفیسر۔" انسپکٹر جمشید طنزیہ انداز میں مسکرائے۔

"کیا کہا تم نے۔" پروفیسر شہابی کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔

ساتھ ہی اس نے چلا کر کہا: "اور تم نے ابھی تک مسٹر شنگ کو نہیں چھوڑا... تو پھر میں لگا ہوں فائر کرنے۔"

"اور تم سے امید بھی کیا ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"تو تم نہیں چھوڑو گے۔"

"بالکل نہیں۔"

"میں فائر کر دوں گا۔"

"ہم انتظار کر رہے ہیں۔"

"تو پھر یہ لو۔" طیش کے عالم میں اس نے ٹریگر دبانا شروع کر دیا لیکن اس کا پستول ٹرچ ٹرچ کر کے رہ گیا...

"یہ... یہ... یہ کیا۔" مارے خوف کے اس کے منہ سے نکلا۔

"یہی... جاؤ بچو اسے پکڑ لو... شنگ کی فکر نہ کرو، اس کے لیے تو اب فرزانہ، میں اور تمہارے انکل ہی کافی ہیں۔"

انہوں نے پروفیسر شہابی کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہ بھڑک کر بھاگا... اس کا رخ اس طرف تھا جس راستے سے سب یہاں تک پہنچے تھے لیکن فوراً ہی انہوں نے اسے جا لیا...

وہ شنگ تو تھا نہیں کہ اس تک پہنچنے میں وقت ہوتی...

"بڑے چھپے رستم نکلے آپ تو پروفیسر صاحب۔"

"اس سارے منصوبے کی جڑ یہی شخص ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا: "اسی نے دشمن ملک کو پٹی پڑھائی تھی کہ اب میں پروفیسر غوری کی جگہ لے چکا ہوں جبکہ ہوں میں آپ کا ایجنٹ۔ اگر آپ میرے منصوبے پر عمل کریں ہم ان کا ایٹمی پلانٹ اڑا سکتے ہیں، انشارجہ تو چاہتا بھی یہی ہے... ارے۔"

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ... اسی وقت فرزانہ کے منہ سے ایک چیخ نکلی تھی ... شنگ کا ایک زبردست ہاتھ اس کی پیشانی پر پڑا تھا اور وہ اچھل کر دور جا گری تھی ... جونہی ایسا ہوا شنگ نے اپنے دونوں پیروں پر انسپکٹر جمشید کو اچھال دیا ... وہ بھی دور جا گرے۔

اس وقت تک انسپکٹر کامران مرزا ہوشیار ہو چکے تھے۔ انہوں نے فوراً شنگ کو سر کے بالوں سے جکڑ لیا لیکن شنگ نے بالوں کی کوئی پروا نہ کی، پوری طاقت سے ایک جھٹکا مارا۔ بال انسپکٹر کامران مرزا کے ہاتھ سے نکل گئے اور شنگ دوسری طرف کھڑا نظر آیا اور یہ سب آن کی آن میں ہو گیا ...

ان کے رنگ اڑ گئے کہ یہ اچانک کیا ہو گیا ...

"وہ مارا۔" پروفیسر شہابی نے مارے خوشی کے چلّا کر کہا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں دوستو، ہم اب بھی ان سے نبٹ لیں گے۔"

"اب ہم یہاں لڑنے ہی کیوں لگے ... زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا نا کہ تم اس پلانٹ کے ساتھ نہیں مارے جاؤ گے ... تم سے ہم بعد میں نبٹ لیں گے۔" یہ کہتے ہی شنگ نے دوڑ لگا دی۔

اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا اس کی طرف دوڑ لگاتے، وہ چھوٹی پارٹی تک پہنچ گیا ... اس کے ہاتھ بجلی کی طرح ان پر برسنے لگے ... وہ تڑا تڑا گرتے چلے گئے۔

ساتھ ہی اس نے پروفیسر شہابی کا ہاتھ پکڑا اور دوڑ لگا دی۔

اب وہ دونوں سب سے آگے تھے، ان کے پیچھے انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور خان رحمان تھے جبکہ چھوٹی پارٹی ایک ایک کر کے اٹھنے کی کوشش میں مصروف نظر آئی۔

رہ گئے پروفیسر داؤد ... وہ تو گویا اپنے حواس میں تھے ہی نہیں ... وہیں کے وہیں جامد کھڑے ہو گئے۔

ادھر شنگ نے محسوس کیا کہ وہ پروفیسر شہابی کی وجہ سے پوری رفتار سے نہیں دوڑ سکتا اور یہ لوگ اسے گھیر لیں گے ... جبکہ ڈائنامائٹ پھٹنے کا وقت قریب آ رہا تھا لہٰذا اس نے پروفیسر شہابی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پکار کر کہنے لگا ...

"مجھے افسوس ہے پروفیسر شہابی، میں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا کیونکہ تمہیں ساتھ لے جاتا ہوں تو خود میں بھی مرتا ہوں، تم تو مرو گے ہی، ان لوگوں سے جنگ کرنے کی صورت میں اور وقت لگ جائے گا اور جنگ کے بغیر یہ ہمیں جانے نہیں دیں گے، لہٰذا میں چلا۔"

"نن نہیں۔" پروفیسر شہابی زور سے چیخا ...

شنگ نے پروفیسر شہابی کے "نن نہیں" کی کوئی پروا نہ کی اور دوڑ لگا دی ...

"بچوں تم پروفیسر شہابی کو سنبھالو، ہم شنگ کے پیچھے جاتے ہیں۔"

"جی اچھا ... اس کی تو بنا دیں گے ہم چٹنی۔" فاروق چلایا۔

'' خبردار اتنی چٹنی نہ بنا دینا کہ ہم اس سے کام بھی نہ لے سکیں...
ڈائنا مائٹ کا نظام اسی کے ذریعے آف کرانا ہے۔''

''جی اچھا... ہم نرم گرم چٹنی بنائیں گے جو بعد میں بھی کام آتی
رہے گی۔''

ان کے یہ الفاظ سننے سے پہلے ہی وہ شنگ کے پیچھے دوڑ لگا چکے
تھے... ادھر انہوں نے پروفیسر شہابی کو گھیر لیا...

ان کے خطرناک تیور دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا۔

'' غدار صاحب... اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں۔'' محمود نے
اسے گھورا۔

'' بھئی کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، عمارت تباہ ہونے والی ہے...
اسے باندھ کر یہیں عمارت کے نیچے چھوڑ جاتے ہیں۔'' فاروق نے کہا۔

''ہائیں... دماغ تو نہیں چل گیا۔''

'' بالکل نہیں چلا... ویسے تم نے یہ غلط اندازہ کیسے لگا لیا۔''

'' ایسے کہ ہم اپنے ایٹمی پلانٹ کو کیوں تباہ کرانے لگے۔''

'' ہاں بات تو ٹھیک ہے... خیر اس غدار سے ذرا انٹرویو کر لیں
پھر مرمت شروع کریں گے... ہاں تو جناب محترم پروفیسر شہابی انکل
یہ سب کیا ہے، تم نے غداری کب اور کون سے سن میں شروع کی۔''
آفتاب نے پوچھا۔

''میں غدار ہوں ہی نہیں۔'' وہ عجیب انداز میں مسکرایا۔

'' کیا مطلب... یہ کیسے ممکن ہے۔''

'' میں اس ملک کا نہیں ہوں، یہاں کی پیداوار ہوتا اور پھر یہاں
کے خلاف کوئی کام کرتا تو اس وقت مجھے غدار کہا جا سکتا تھا... میں تو
ہوں ہی انشارجہ کا رہنے والا... تعلیم حاصل کرنے کے بہانے مجھے ادھر
بھیجا گیا تھا مثلاً عربی فارسی کی... سائنس کی تعلیم میں پہلے ہی حاصل کر
چکا تھا... بس ہم لوگوں کی منصوبہ بندی ایسی ہی ہوتی ہیں یعنی مجھے اب
تمام زندگی یہیں رہنا تھا... یہیں کی کسی لڑکی سے شادی کرنا... یہیں کی
شہریت حاصل کرنی تھی تاکہ کسی کو کسی قسم کا شک نہ گزرے... پھر اپنے
ملک کے بڑے اور ماہر سائنس دانوں سے سیکھی ہوئی کچھ ایجادات اس
ملک میں کر کے اپنے آپ کو مشہور کرنا تھا تاکہ ثابت ہو جاتا کہ میں
اس ملک کا ہمدرد ہوں، اس ملک کے لیے جیتا ہوں، میرا مرنا جینا گویا
اس ملک کے لیے ہے... پھر ایسے میں پروفیسر غوری مارے جاتے ہیں
اور میں اوپر کی ہدایات کے مطابق غیر محسوس طور پر ان کی جگہ لینے کی
کوشش کر دیتا ہوں... اس طرح پروفیسر داؤد سے بھی بات چیت اور
ملاقاتیں شروع ہو جاتی ہیں... آہستہ آہستہ آخر میں اس ملک کا ایک
جانا پہچانا سائنس دان بن گیا... جس پر کوئی شک نہ کر سکا۔''

''لیکن ہمارے اباجان پہلے ہی بھانپ چکے تھے ورنہ وہ تمہارا پستول
کیسے خالی کر دیتے۔''

'' اب پہلے ڈائنا مائٹ آف کرنا ہے، اس سلسلے میں کیا کہتے ہو۔''

بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔"

"تب پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"تیار ہوں، مجھے موت کے گھاٹ اتار دو لیکن میں اس پلانٹ کو تباہ کیے بغیر نہیں رہوں گا۔"

"اچھا یہ بات ہے... خیر ہم بڑوں کی اجازت کے بغیر تمہیں گولی نہیں ماریں گے۔"

"تم جانو... ورنہ میں تو مرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"پروا نہیں... ہم اپنے پلانٹ کو ہم پھر بھی بچالیں گے۔"

"جو کرنا ہے کر لو... مجھے کوئی پروا نہیں۔"

تو پھر... کیا تم نے شادی کی تھی۔"

"نہیں... میں نے یہ روگ نہیں پالا... اس طرح میں آزادنہ اپنا کام نہیں کر سکتا تھا... اب دیکھ لو مجھے کوئی پروا نہیں... تم مجھے جان سے مارتے ہو مار ڈالو لیکن اگر میں ہوتا شادی شدہ تو اس وقت اپنے بیوی بچوں کیلئے پریشان ہو سکتا تھا... بچے مجبوری بن جاتے ہیں۔"

"ہوں... اور پروفیسر انکل کے ساتھ کیا کیا گیا ہے۔"

"ان کے دماغ میں چپ فٹ کی گئی ہے... ان سے تو بس یہاں تک آنے کا کام لیا گیا ہے۔"

"لیکن انہیں تو تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں لایا گیا ہے، اتنی ذرا سی دیر میں ڈائنامائٹ کیسے فٹ کر دیے گئے۔"

"یہ کام انہوں نے نہیں میں نے کیا ہے... سیٹ پہلے تیار تھا بس اٹھا کر لانا تھا اور اسے آن کرنا تھا... اس پر ٹائم سیٹ ہے..."

"پھٹنے میں کتنا وقت باقی ہے۔"

"کچھ زیادہ نہیں... پندرہ منٹ باقی ہیں۔" وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا...

انہوں نے گھڑیوں پر نظر ڈالی... ادھر ابھی تک تینوں بڑوں کی واپسی کے آثار نظر نہیں آئے تھے...

"اب کیا کریں؟"

"اور اگر پندرہ منٹ گزر گئے اور وہ نہ آئے۔"

"میرا خیال ہے... انہیں۔"

عین اس لمحے وہ تینوں آتے نظر آئے... وہ بے تحاشہ دوڑے آ رہے تھے... جونہی وہ نزدیک آئے محمود نے کہا۔

"ڈائنامائٹ پندرہ منٹ بعد پھٹ جائے گا، پہلے اس کا کچھ کر لیا جائے، یہ صاحب مرنے کیلئے تیار ہیں، اسے آف کرنے کیلئے نہیں۔"

"تب تو یہ بہادر آدمی ہیں... میں ایسے آدمی کی قدر کرتا ہوں... پروفیسر صاحب... آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے ہاتھ آگے کر دیا... پروفیسر شہابی نے خوش گوار حیرت کے عالم میں ہاتھ آگے بڑھا دیا... انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا... اس کے ساتھ ہی اس نے چیخ کر کہا۔

"ارے یہ کیا، اتنے زور سے تو نہ دبائیں۔"

"ابھی تو میں اور زور سے دباؤں گا۔" وہ مسکرائے۔

"کیا۔"

"ہاں بھئی ... ہم اپنے دشمنوں کو اسی طرح دباتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے بازو خوب زور سے دبایا ... اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں ...

"نن ... نہیں ... نہیں ... خدا کے لیے میرا ہاتھ چھوڑ دیں۔"

"مسٹر پروفیسر، یہ کہنا آسان ہے کہ مجھے گولی مار دو میں ڈائنامائٹ آف نہیں کروں گا لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ جتنا جی چاہے ہاتھ دبا لو اور ابھی تو میں نے نصف طاقت بھی صرف نہیں کی۔"

"اف ... اف ... میرا ہاتھ ٹوٹ رہا ہے۔"

"میں تھوڑا زور اور لگا رہا ہوں ... اس کے بعد فیصلہ تم کرو گے کہ ڈائنامائٹ آف کرنا ہے یا ..."

"نن ... نہیں ... میں آف کرنے کے لیے تیار ہوں۔" وہ چیخا۔

"لیکن جب تک تم ڈائنامائٹ آف نہیں کرتے تم اسی درد میں مبتلا رہو گے ..." یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کک ... کیا مطلب ؟؟" وہ ہکلایا۔

"تمہارا ہاتھ بدستور میری گرفت میں رہے گا جب تک کہ تم ڈائنامائٹ کا سسٹم آف نہیں کر دیتے، اس دوران تم اسی طرح شدید

درد میں مبتلا رہو گے ... اور اگر ہمیں اندازہ ہوا کہ تم ہمیں دھوکا دے رہو تو پھر ہم تمہارے ساتھ وہ کریں گے جس کے تصور سے ہی تم خوف کھاؤ گے ..." انسپکٹر جمشید زہریلے لہجے میں کہتے چلے گئے۔

"کک ... کیا کرو گے تم ..." وہ خوفزدہ سی آواز میں بولا۔

"یہ تابکاری مواد تمہاری جیب میں ڈال کر تمہیں اس کھڑکی سے نیچے لٹکا دیں گے، اگر تم نے ہمیں دھوکا دیا تو تم خود زندگی بھر عبرت آمیز زندگی جیو گے ... دھماکے کی صورت میں تابکاری مادے سے تمہاری کھال گل کر رہ جائے گی ... تم مرو گے نہیں کیونکہ دھماکا ہوتے ہی رسی ٹوٹ جائے گی اور تم تیس فٹ نیچے چٹان پر جا گرو گے ... یہ اونچائی ایسی نہیں کہ تم مر سکو ... تمہارے ہاتھوں اور ٹانگوں کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی اور تابکاری مادہ پگھل کر تمہاری کھال میں جذب ہو جائے گا ... تم زندگی بھر کیلئے نہ صرف معذور ہو جاؤ گے بلکہ مردوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاؤ گے ... نہ زندوں میں رہو گے نہ مردوں میں ..." یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پیکٹ نکالا اور پروفیسر شہابی کی پتلون کی بیلٹ میں کمر کی طرف اٹکا دیا ...

"کیا ... نہیں نہیں !!!" وہ چلایا۔

"تو تمہارا پروگرام دھوکا دینے کا تھا۔"

"نن ... نہیں لیکن اب میں کیسے دھوکا دے سکتا ہوں ... چلو

میرے ساتھ ، میں بتاتا ہوں ڈائنامائٹ کا کنٹرول کہاں نصب کیا ہے ۔''

انہوں نے پروفیسر شہابی کے پیچھے عمارت کے مزید نچلی طرف دوڑ لگا دی ... انسپکٹر جمشید نے اس کا بایاں ہاتھ اپنی گرفت میں لے رکھا تھا ... درد کے آثار پروفیسر کے چہرے پر نمایاں تھے ... یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں ڈائنا میٹ نصب کیا گیا تھا ... ذرا سی دیر کی کوشش اور محنت کے بعد پروفیسر شہابی نے ڈائنامائٹ سسٹم ناکارہ کر دیا۔

''بس اب ڈائنامائٹ نہیں پھٹیں گے ، اب تو میرا ہاتھ آزاد کر دو انسپکٹر جمشید۔''

''لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم تمہاری بات پر اعتبار کیسے کر لیں ... کیا خبر تم ہمیں دھوکا دے رہے ہو۔''

''ان حالات میں کیا دھوکا دوں گا جب شنگ بھی مجھے چھوڑ گیا... اس کے لہجے میں حسرت تھی ۔

''اس کے باوجود پروفیسر ہم اعتبار نہیں کر سکتے ... ہم تمہیں کھڑکی سے لٹکا کر یہیں چھوڑ جاتے ہیں ، اگر تم سچے ہو تو عمارت تباہ نہیں ہو گی اور تم بھی محفوظ رہو گے لہٰذا ہم تمہیں آ کر لے جائیں گے ۔''

''نن ... نہیں ... مجھے ڈر لگے گا اور اگر رسی یونہی ٹوٹ گئی تو ۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

''ارے ارے ... اس عمر میں ڈرو گے ۔'' خان رحمان ہنسے ۔

''ہاں مجھے اونچائی سے ڈر لگتا ہے ۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''اب کیا کیا جا سکتا ہے ۔''

''میری بات پر اعتبار کر لو ۔''

''بس یہی کام ہمیں نہیں کرنا آتا ... چلو بھئی باندھ دو اسے ۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا ... یہ سن کر فاروق نے فوراً جیب سے ریشم کی ڈوری نکالی اور اس کی طرف بڑھا ۔

''نن ... نہیں میں ... میں آف کرتا ہوں ڈائنا میٹ۔'' پروفیسر چلاّ اٹھا ۔

''ہائیں یہ کیا ... تو ابھی تم نے اسے آف نہیں کیا تھا ۔''

''نن نہیں ۔''

ایک بار پھر اس نے دوڑ لگا دی ... ڈائنامائٹ کے پاس گیا ... کوئی کارروائی کی اور واپس ان کے پاس آ گیا ۔

''ہمیں اب بھی اعتبار نہیں ۔''

''اب آپ بے شک باندھ دیں ... اب مجھے ڈر نہیں لگے گا۔'' اس نے پرسکون آواز میں کہا۔

وہ سمجھ گئے کہ اب کہ وہ سچ مچ آف کر آیا ہے ... اس کے باوجود انہوں نے احتیاطاً اسے باندھ کر لٹکا دیا ... وہ بہت چیخا چلایا لیکن انہوں نے اسے باندھ کر اور لٹکا کر راستے کی طرف دوڑ لگا دی۔ یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔

پروفیسر داؤد کو بھی انہوں ساتھ لے لیا تھا۔

"لیکن ابا جان! ہم نے اوپر کام کرنے والوں کے لیے تو کچھ بھی نہیں کیا... اگر عمارت اڑ گئی تو۔"

"اس بات کا اب کوئی امکان تو نہیں... لیکن میں عمارت پہلے ہی خالی کرا چکا ہوں... خطرے کے الارم بج اٹھے تھے اور وہ سب ایسے ہی حالات کیلئے تیار کیے گئے زیرِ زمین بنکروں میں سے ہوتے ہوئے محفوظ مقام پر منتقل ہو چکے ہوں گے... اندر واپس آنے سے پہلے ہی میں نے سب کو خبردار کر دیا تھا۔"

"اوہ تب تو ٹھیک ہے... اور شنگ کا کیا بنا۔"

"افسوس ہم اسے نہیں پکڑ سکے... اس نے اپنے فرار کا پورا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا... وہ ہم سے پہلے باہر نکل گیا تھا اور باہر اس کے لیے گاڑی تیار کھڑی تھی، ہمیں اگر اس جگہ کی پریشانی نہ ہوتی تو اس کا تعاقب جاری رکھتے اور اس تک پہنچ بھی جاتے... لیکن خیر کوئی بات نہیں پھر سہی... وہ پھر ہمارے مقابلے پر آئے گا۔"

"یہ دوسرا موقع ہے کہ وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"ہاں لیکن ہمارا اس کا آمنا سامنا بہت جلد ہو گا۔"

یہ پندرہ منٹ ان پر پہاڑ بن کر ٹوٹے تھے... ایک ایک لمحہ کسی پہاڑ کی طرح بھاری تھا... پروفیسر شہابی کی انشارجہ کے لیے حب الوطنی ان کے خدشات میں اضافہ کیے دے رہی تھی... عین ممکن تھا کہ اس نے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک دی ہو... عین ممکن تھا کہ اس نے

ڈائنامائٹ سسٹم آف نہ کیا ہو... انہوں نے خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچا تو ان کے خوف میں مزید اضافہ ہو گیا... اگر وہ پروفیسر شہابی کی جگہ ہوتے اور انہی حالات سے دو چار ہوتے جن سے پروفیسر شہابی دو چار تھا تو وہ کسی صورت ڈائنامائٹ آف نہ کرتے اور اپنے وطن کی خاطر جان قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے... آخر ہر ملک میں ان جیسے لوگ موجود ہوتے ہوں گے... اور اگر پروفیسر شہابی بھی کوئی ایسا ہی محب وطن نکل آیا تو پھر نہ صرف وہ سب بھی مارے جاتے بلکہ ایٹمی پلانٹ بھی... گویا اس وقت دشمن کی سازش کامیاب ہونے یا ناکام ہونے کا دارومدار صرف اور صرف پروفیسر شہابی کی ہمت پر تھا۔

اور پھر...

پندرہواں منٹ شروع ہو گیا... سیکنڈ کی سوئی چکر پورا کرنے لگی... انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے پوری دنیا تھم کر رہ گئی ہو... سب کچھ جیسے رک سا گیا ہو... محمود فاروق فرزانہ کی آنکھوں کے سامنے اپنی والدہ کا چہرہ گھوم گیا... اگر وہ اس دھماکے میں مارے جائیں تو شوہر اور تینوں بچوں کو کھونے کے غم وہ کس طرح سہہ پائیں گی... زندہ لاش بن کر رہ جائیں گی... شائستہ تو بالکل تنہا رہ جائے گی... وہ تو پہلے ہی بن ماں کی بچی ہے... حامد سرور ناز اور شہناز بیگم پر کیا گزرے گی... ایک لمحے کیلئے ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں... انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے جبکہ فرزانہ نے دائیں ہاتھ سے اپنے والد کا ہاتھ

تھام لیا...

یہ ان کی زندگی کے عجیب ترین لمحات میں سے ایک تھے...

وہ اپنے وطن پر قربان ہونے جا رہے تھے جب کہ اس وقت تک نہ ان کو ایٹمی پلانٹ کو بچانے میں اپنی کوششوں کی کامیابی کا یقین تھا اور نہ ہی وہ شنگ کو پکڑنے میں ہی کامیاب ہو پائے تھے۔ یعنی جان دے کر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پاتے... ان کیلئے یہ بات بہت ہی دردناک تھی کہ ان کے مرنے کے بعد دشمن کو کھل کھیلنے کا موقع مل جائے گا... بے چارے شوکی برادرز اب اس قابل تو نہ تھے کہ تن تنہا اتنی ہولناک بین الاقوامی سازشوں کا سامنا کر پاتے۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے ایک ایک نظر ان تینوں پر ڈالی اور پھر جیسے سمجھ گئے کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں... فوراً ہی ان کے منہ سے نکلا:

"یہ سوچنے کی غلطی ہرگز نہ کرنا کہ ہم نہ ہوئے تو ہمارا وطن نہیں بچے گا... ہمارے جیسے اور بہت سے لوگ ہوں گے جو ہمارے منظر سے ہٹ جانے کی صورت میں سامنے آئیں گے اور وطن کی حفاظت ہم سے بہتر کریں گے... ہم ہوں یا کوئی اور، کوئی بھی ہمیشہ زندہ نہیں رِہتا... ہم سے بہتر لوگ ہوں گے اسی طرح جیسے ہم سے پہلے کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور علی عمران جیسے لوگ میدان میں تھے... میں محکمہ سراغرسانی اور دوسرے جاسوسی محکموں میں ایسے نئے نوجوان افسروں سے واقف ہوں جو ہماری جگہ لے سکتے ہیں اور ہم سے بھی بہتر انداز میں..."

اپنے والد کی بات سن کر انہیں اپنے دلوں پر سے ایک بوجھ ہٹتا محسوس ہوا...

اور پھر پندرہ منٹ پورے ہونے میں پانچ سیکنڈ باقی رہ گئے...

پھر چار

تین

دو

ایک

...

اور پھر ...

☆☆☆☆☆

آپریشن

سناٹا قائم رہا... کوئی دھماکا نہ ہوا... نہ کہیں سے کوئی شعلہ بلند ہوا۔

پھر ایک منٹ مزید گزر گیا...

آخر انسپکٹر جمشید نے انہیں اٹھنے کا شارہ کیا...

پندرہ منٹ پورے ہونے کے بعد بلکہ اس سے بھی کچھ منٹ زائد وقت گزارنے کے بعد وہ واپس پلٹے... انہوں نے پروفیسر شہابی کو کھڑکی میں سے اوپر کھینچا اور اس کی رسیاں کھولنے لگے... وہ ادھ موا سا ہو رہا تھا... اس کو پانی پلایا گیا تو اس کو اوسان بحال ہوئے... پھر اس نے آنکھیں کھول دیں اور انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

"شکریہ پروفیسر شہابی..." انسپکٹر جمشید بڑبڑائے اور انہیں اپنے پیچھا آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

"پروفیسر شہابی... ہمارے پروفیسر انکل کو بھی اب اس چپ سے نجات دلا دو۔"

"آپریشن کرنا ہوگا... انہیں ہسپتال لے چلتے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

انہوں نے وہیں سے ہسپتال کا رخ کیا۔ انسپکٹر جمشید سب کو فون پر صورتِ حال بتاتے چلے گئے... یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچے، ان سب کے گھر کے افراد تو وہاں تھے ہی، محکمے کے بھی سب لوگ آ چکے تھے... ایک دوسرے کو دیکھتے ہی ان سب کے منہ سے نکلا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

☆☆☆

اب اندر پروفیسر داؤد کے دماغ کا آپریشن ہو رہا تھا اور باہر وہ سب لوگ پرسکون انداز میں بیٹھے تھے...

ان حالات میں محمود نے پوچھا۔

"اباجان! آپ کو پروفیسر شہابی کے بارے میں کب پتا چلا... یا کیسے پتا چلا۔"

"ملک کے دوسرے حصے سے اس کی آمد عجیب گھماؤ پھراؤ لیے ہوئے تھی... یعنی اس کا بیان عجیب تھا کہ جب وہ جہاز سے نکل کر باہر کا رخ کر رہا تھا تو اسے چکر آیا، کسی نے اسے سہارا دیا... اس کے بعد وہ بے ہوش ہوگیا... یہ سب باتیں عجیب تھیں کیونکہ ایر پورٹ پر ایسی کوئی بات سننے میں نہیں آئی، پھر بعد میں وہ ایر پورٹ کی سڑک کے کنارے بے ہوش پایا گیا... اسے ہسپتال لے جایا گیا تو کافی دیر

تک بے ہوش رہا... حالانکہ ڈاکٹر حضرات کا کہنا تھا کہ اسے بے ہوشی کی جو دوا دی گئی تھی، وہ بہت ہلکی قسم کی تھی، اس سے آدمی زیادہ دیر بے ہوش نہیں رہ سکتا تھا، جب میں نے ان سب باتوں کا جائزہ لیا تو نتیجہ سامنے آگیا کہ اس نے خود ہی بے ہوشی کی دوا لی تھی اور خان رحمان اب تمہیں بھی سمجھ آگیا ہو گا کہ شنگ نے یہ کیوں کہا تھا کہ پلانٹ میں دھماکے شروع ہونے ہونے سے پہلے پہلے ''ہمیں'' یہاں سے جانا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے ہمیں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

'' ہاں وہ اپنی اور شہابی کی بات کر رہا تھا۔'' خان رحمان بولے۔

'' لیکن ابا جان اسے یہ سب ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''تاکہ یہ معلوم ہو کہ کوئی ہے جو نہیں چاہتا... پروفیسر شہابی وقت پر پروفیسر داؤد تک پہنچیں... یا یہ کہ مخالف قوتیں حرکت میں ہیں اور پروفیسر شہابی پر ان کی نظریں ہیں گویا وہ محبِ وطن ہے... دشمن طاقتیں اس پر نظریں جمائے بیٹھی ہیں... اس طرح میرا اس پر شک پختہ ہوتا چلا گیا... اس کے بعد میں نے خفیہ طور پر اس کے بارے میں ملک کے مشرق سے معلومات منگوائیں... پروفیسر غوری کی شہادت کے بعد اس کا نام اخبارات کی زیادہ زینت بننے لگا تھا... ان خبروں سے بھی اندازہ ہوا کہ اس نے خود نمایاں کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی ہے... اس کے بعد تو پھر میں برابر اس کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔''

'' اس کا پستول آپ نے کس وقت خالی کیا تھا۔''

'' یہ کام میں پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ میں ہی کر چکا تھا... اس سے پہلے میں نے اس کے بیگ کی تلاشی لی تھی اور یہ دیکھ کر حیران ہوا تھا کہ اس کے پاس پستول بھی تھا... جب کہ اس کو بظاہر پستول رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی... یہ ایک اور وجہ رہی اس پر شک کو یقین میں بدلنے کی لہٰذا میں نے اس کے پستول کی گولیاں نکال دیں اور نقلی گولیاں ان کی جگہ بھر دیں تاکہ اسے محسوس نہ ہو کہ پستول خالی کر دیا گیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

'' ہوں... اور شنگ کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے... وہ تو ایک بار پھر نکل گیا۔'' آصف بول اٹھا۔

'' کوئی پروا نہیں... اس کا منصوبہ ناکام ہوا گویا ناکامی اس کے آڑے آئی ہے۔''

'' لیکن میرا خیال ہے وہ انگارے چبا رہا ہو گا اور بہت جلد پھر ہمارے مقابلے پر آئے گا۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

'' فکر کی کوئی بات نہیں... اس سے دو مرتبہ سامنا ہوا ہے، پھر آئے گا تو ہم پھر مقابلے کے لیے تیار رہیں گے۔''

'' ہاں یاد آیا... فرزانہ یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں... وہ کیا کاروائی تھی جس سے تم نے اسے بے بس کیا تھا اور وہ انکل کی گردن چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا۔'' آصف نے پوچھا۔

'' جب ہم دوسری مرتبہ ترکیب نمبر 13 کے تحت اس سے چمٹے تھے

تو میری انگلیاں اس کے پہلو سے جا لگی تھیں ... اس کے پہلو پر دباؤ پڑا تو اس کے منہ سے وہ عجیب ہنسی نکل گئی تھی ... نن ... ہاہاہا ... مجھے حیرت ہوئی تو میں نے دوسری مرتبہ اس کے پہلو پر گدگدی کی تھی ... اس مرتبہ اس کے منہ سے اور زور سے نن ہاہاہا نکلا تھا اور میں اسی وقت سمجھ گئی کہ یہ شخص گدگدی برداشت نہیں کر سکتا... اس وقت تک یہ غیر محسوس طور پر ہوا تھا ... شنگ کو بھی پتا نہ چلا کہ میں نے اس کی یہ کمزوری نوٹ کر لی ہے ... بس اس کے بعد میں نے اس چیز کو خوفناک وقت کے لیے محفوظ کر لیا۔'' فرزانہ یہاں تک کہہ کر رک گئی۔

''تم بہت زبردست رہیں فرزانہ۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے خوش ہو کر کہا۔

''اس کا کیا، یہ تو ہمیشہ ہی زبردست رہتی ہے۔'' فاروق جل گیا۔

''تو تم کیوں جلے جا رہے ہو۔'' فرحت نے منہ بنایا۔

''جلتی ہے میری جوتی ... نن نہیں جلتا ہے میرا جوتا۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''لو اب جوتوں میں بھی مذکر مونث لے آئے۔'' آفتاب مسکرایا۔

''تو تم بھی لے آؤ، تمہیں کس نے روکا ہے۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

''لگتا ہے، اب یہ لڑ پڑیں گے۔'' فرحت گھبرا گئی۔

''نہیں تو مجھے تو نہیں لگتا۔'' فرزانہ مسکرائی۔

فرحت نے اسے تیز نظروں سے گھورا... پھر گویا ہوئی۔

''نہیں لگتا ہوگا۔''

''بے چارے پروفیسر داؤد صاحب کا اندر آپریشن ہو رہا ہے... اور انہیں نوک جھونک کی سوجھ رہی ہے۔'' انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

''تو انکل ایسے میں ہمیں اور کس بات کی سوجھنی چاہیے۔''

''دعا کی ... ہم سب کو چاہیے ان کے لیے دعا کریں کیونکہ دماغ کا آپریشن خطرناک ہوتا ہے۔'' خان رحمان سنجیدہ لہجے میں بولے۔

''لیکن ابا جان ... ڈاکٹر حضرات کو صرف چپس الگ کرنی ہے۔''

''لیکن ہمیں معلوم نہیں، انہوں نے چپس کہاں لگائی ہے کتنی گہرائی میں لگائی ہیں، انہیں آسانی سے نکالا جا سکے گا یا نہیں۔''

''اوہ ہاں ... یہ تو واقعی فکر مند ہو جانے والی بات ہے ... لیجیے ہم فکر مند ہو جاتے ہیں۔'' محمود نے جلدی جلدی کہا۔

''اب تم سے کون مغز مارے۔'' خان رحمان بھنا اٹھے۔

''خیر تو ہے انکل، آپ تو ہمیشہ ہماری باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، آج ایسا نظر نہیں آ رہا ہے۔'' آفتاب نے فوراً کہا۔

''پروفیسر صاحب کی وجہ سے پریشانی محسوس کر رہا ہوں۔''

''اوہ ہاں یہ تو خیر ہے ... خیر اللہ مالک ہے۔''

''اب جب تک ان کے بارے میں یہ اطلاع نہیں مل جاتی کہ وہ بالکل خیریت سے ہیں اور آپریشن کامیابی سے ہو گیا ہے ... اس وقت

تک ذہن الجھا رہے گا ... سکون کا سانس نہیں لیا جائے گا۔"

"دوست ہوں تو آپ جیسے۔" آفتاب نے سر ہلایا۔

"اس سارے معاملے میں ایک بات ہے ... جس کا ابھی تک میں نے ذکر نہیں کیا۔" انسپکٹر جمشید نے سوچ میں گم انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا انکل۔" فرحت کی آواز گونجی۔

"یہ کہ اگر ہم اس پلانٹ کے نچلے حصے میں نہ پہنچ پاتے اور ..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"اور کیا؟" ان سب کے منہ سے بے قراری کے عالم میں نکلا۔

"اور وہ عمارت تباہ ہو جاتی تو۔" وہ پھر رک گئے۔

"یہ کیا ... آپ بتاتے بتاتے رک کیوں رہے ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مزہ لینے کے لیے۔" وہ مسکرائے۔

"مہربانی فرما کر اباجان اب اتنا بھی مزہ نہ لیں کہ ہم سب کے خون خشک ہو جائیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اچھی بات ہے اب نہیں رکوں گا ... اب رکنے کیلئے رہ ہی کیا گیا ہے ... ہاں تو اگر ہم وہاں تک نہ پہنچ پاتے یعنی ڈائنامائٹ کو بیکار نہ کر پاتے ... تب بھی ہمارے ایٹمی پلانٹ کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔"

"جی کیا مطلب ... یہ کیا کہا آپ نے ... کیسے خطرہ نہیں تھا۔"

"یہ پلانٹ بھی دھوکے کا ایٹمی پلانٹ ہے یعنی جعلی ... دشمن کے

جاسوسوں کی نظروں میں دھول جھونکنے کیلئے۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

"تو پھر ہم نے اس کو بچانے کے لیے اپنی جانیں خطرے میں کیوں ڈالیں۔"

"ایٹمی پلانٹ کو بچانے کے لیے ..." وہ مسکرائے۔

"لیکن ابھی آپ نے بتایا کہ وہ ایٹمی پلانٹ نہیں تھا۔"

"ہاں میں نے یہی کہا تھا ..." وہ پھر مسکرائے۔

صرف انسپکٹر کامران مرزا تھے جو ان کی مسکراہٹ میں شریک تھے۔

"ابا جان آپ بھی مسکرا رہے ہیں۔" آفتاب نے انہیں گھورا۔

"ہاں ... کیوں کیا مسکرانے پر پابندی ہے۔" کامران مرزا ہنسے۔

"لو بھئی ... ابھی مسکرا رہے تھے اور اب ہنسنے بھی لگے۔" آصف نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کیا آپ دونوں پر ہنسنے کا دورہ پڑ گیا ہے ..." خان رحمان جھلاہٹ بھرے لہجے میں بولے۔

"آخر بات کیا ہے؟؟" بیگم جمشید بھی درمیان میں کود پڑیں۔

"بات وہی کہ ہم نے ایٹمی پلانٹ کو بچانے کیلئے اپنی جانیں داؤ پر لگائیں اور پروفیسر شہابی کو بھی کھڑکی سے لٹکائے رکھا ..."

"اب میں اپنے بال نوچ لوں گی ابا جان۔" فرزانہ چنچنائی۔

"ارے ارے ایسا نہیں کرنا ... میں بتاتا ہوں ..."

"تب پھر بتائیے ..." فاروق نے بے چینی سے کہا۔

"بتاتا ہوں ... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔" انسپکٹر جمشید رک گئے۔

"آپ بتا رہے تھے کہ وہ پلانٹ جعلی تھا ... اور ہم نے پوچھا تھا کہ اگر جعلی تھا تو اس کیلئے جان کی بازی لگانے کی کیا تک تھی۔"

"بہت بڑی تک تھی ... اور یہ محمود بتائے گا کیونکہ وہ سمجھ چکا ہے اور اسی لیے اس نے اب تک مجھ سے اس بارے میں سوال نہیں کیا ... بتاؤ بھئی محمود ..."

"بات دراصل یہ ہے کہ اگر ہم اس جعلی پلانٹ کی حفاظت کیلئے آخری لمحات تک وہاں نہ رکتے ، ڈائنامائٹ کو ناکارہ بنانے کی تگ و دو نہ کرتے ، شنگ سے مقابلہ نہ کرتے ، پروفیسر شہابی پر دباؤ ڈال کر ڈائنامایٹ سسٹم آف نہ کرواتے یعنی سیدھے سادے الفاظ میں پلانٹ کو بچانے کی کوشش نہ کرتے تو شنگ کو یہ احساس ہو جاتا کہ اصل پلانٹ کہیں اور ہے اور یہ پلانٹ جعلی ہے ... اور اس طرح وہ نئے سرے سے اصلی پلانٹ کی تلاش کرنے اور تباہ کرنے کی کوشش شروع کر دیتا ... جب کہ اس دکھاوے کے پلانٹ کو بچانے کی ہماری کوششیں اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوگئیں کہ یہی پلانٹ اصلی ہے ... اور یہ کہ دشمن کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آئے گی کہ اصل پلانٹ کہیں اور واقع ہے اور اس طرح اصل ایٹمی پلانٹ محفوظ رہے گا ... یہ ہے کل کہانی اور اس کا جواب کہ جانیں کیوں خطرے میں ڈالیں ..."

یہاں تک کہہ کر محمود خاموش ہوگیا اور لگا ایک ایک کے چہرے کی طرف دیکھنے۔

"اور کیا انکل کامران مرزا بھی اس راز سے واقف تھے ... کیونکہ آپ کے ساتھ ساتھ وہ بھی مسکرا رہے تھے۔" فاروق نے سوال کیا۔

"انسپکٹر کامران مرزا ہر اس راز سے واقف ہیں جس سے میں واقف ہوں ..." انسپکٹر جمشید مضبوط لہجے میں بولے۔

"اس کا مطلب یہ کہ پروفیسر انکل بھی اصل پلانٹ سے واقف نہیں تھے ..." فرحت نے اچانک سوال کیا۔

"ہاں پروفیسر داؤد صاحب کو اسی لیے پلانٹ کا کچھ پتا نہیں نہ حکومت کے لوگوں کو پتا ہے کہ اصل پلانٹ کہاں ہے ... صرف ان لوگوں کو پتا ہے جو وہاں کام کرتے ہیں اور وہ سب لوگ پلانٹ کے رہائشی علاقے میں ہی رہتے ہیں ... اس ساری کہانی کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں جسے ہم پلانٹ کہتے ہیں اور جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ہے ہمارے ملک کا ایٹمی پلانٹ ، اصل تو وہ بھی نہیں ہے۔"

"تب پھر ... اصل پلانٹ ہے کہاں۔" فاروق کے منہ سے مارے حیرت کے نکل گیا۔

"ارے بے وقوف ... بھائی میرے ، جب یہ بات پروفیسر انکل جیسے اہم ترین آدمی کو نہیں بتائی گئی تو تمہیں کیسے بتائی جا سکتی ہے۔" آصف مسکرایا۔

"ت... تم نے مجھے بے وقوف کہا... تمہاری یہ ہمت۔"

"ہاں میری یہ ہمت..."

"میں ابھی دیکھتا ہوں تمہاری ہمت۔" یہ کہتے ہی فاروق اچھل کر کھڑا ہوا... اور آصف کی طرف جھپٹا۔

"ارے ارے۔" سب بڑوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"خبردار..." انسپکٹر جمشید چلائے۔

لیکن اس وقت تک وہ دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے...

یہ دیکھ کر محمود اور آفتاب انہیں الگ کرنے کے لیے دوڑے... ادھر سے فرزانہ اور فرحت دوڑیں... اس طرح بدحواسی میں سب ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

"یہ ان کا لڑنے کا طریقہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

عین اس لمحے اندر سے ایک نرس نے باہر آکر بلند آواز میں کہا۔

"پروفیسر صاحب ہوش میں آگئے ہیں۔"

"ارے!" سب کے منہ سے نکلا...

اور پھر وہ اندر کی طرف دوڑ پڑے۔

☆☆☆

تین دن بعد وہ سب پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ میں موجود تھے اور پروفیسر انہیں یہ بتا رہے تھے کہ کس طرح اکرم نیازی کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا:

"دراصل یہ صرف لیزر کا کمال نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے زیر زمین پانی کو تیزاب جیسے کسی محلول میں تبدیل کر کے اس کے ذریعے مکان کے نیچے کی مٹی کو کمزور کر کے کام نکالا گیا تھا... مٹی جیسے راکھ میں بدل گئی تھی اور اس مٹی پر جب لیزر سے دو ملین ڈگری سینٹی گریڈ کی لیزر شعاع فائر کی گئی تو وہ غبار میں تبدیل ہوگئی... اس طرح مکان کے عین نیچے ایک کم و بیش پندرہ فٹ گہرا خلا پیدا ہوگیا اور مکان اس کے اندر بیٹھتا چلا گیا..." پروفیسر یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگئے۔

"میرا ایک سوال ہے... آوازیں تو ہمیں ایک سے زیادہ دفعہ سنائی دیں لیکن گھر صرف ایک ہی بار گرا..."

"آواز لیزر فائر ہونے سے نہیں، لیزر راکٹ کی پرواز کے نتیجے میں پیدا ہوتی تھی... اور یہ آواز تو دراصل صرف راکٹ اڑا کر پیدا کی جاتی تھی صرف ہم پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ جب چاہیں جہاں چاہیں راکٹ بھیج سکتے ہیں اور لیزر فائر کر کے کسی بھی عمارت کو زمین دوز کر سکتے ہیں... حالانکہ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ زیر زمین پانی کو کیمیاوی محلول ڈال کر گندھک کے تیزاب میں تبدیل نہ کر دیا جائے..." پروفیسر داؤد ایک ہی سانس میں کہتے چلے گئے۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جب آپ کے آلات نے ان آوازوں کو کیچ کیا... اسی کے بعد دشمن نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کیا... یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ ہم وہ آوازیں سن ہی نہ پاتے اور دشمن اپنا کام کر

گزرتا اور ہمیں خبر بھی نہ ہوتی ...'' فاروق نے پوچھا۔

اس بار انسپکٹر جمشید بولے: ''تم بھول رہے ہو فاروق ... اس سازش کا جال ہمارے اور پروفیسر صاحب کے گرد بنا گیا تھا اور ہمارے بغیر یہ منصوبہ، منصوبہ تھا ہی نہیں ... انشارجہ اور شارجستان کے جاسوسوں نے کسی طرح یہ پتا لگا لیا تھا اصل ایٹمی پلانٹ کا علم مجھے اور پروفیسر داؤد کو ہے اور اسی لیے وہ کافی عرصے سے اس تاک میں تھے کہ پروفیسر داؤد کے قریب آیا جائے اور ان کا اعتماد حاصل کیا جائے ... شہابی نے ہی پروفیسر داؤد کو اس فریکوئنسی سے آگاہ کیا تھا جس پر راکٹ کی سنناہٹ سنی جا سکتی تھی اور پھر آگے کا ڈرامہ بھی خود ہی رچایا تھا ... یہ جانتا تھا کہ اگر دشمنوں نے اس کی یعنی پروفیسر شہابی کی حوالگی کا مطالبہ کیا تو ہم پروفیسر داؤد سے زیادہ اس کی حفاظت کریں گے اور ہوا بھی یہی کہ ہم نے اس کی جگہ پروفیسر داؤد کو دشمن کے حوالے کر دیا یعنی سب کچھ ان کے پروگرام کے مطابق ہوا لیکن ...''

''لیکن کیا ابا جان ...'' محمود نے بے چینی سے کہا۔

''لیکن دشمن کی چالیں دھری کی دھری رہ گئیں ... وہ ایک بات نہ جان سکا ...''

''اور وہ کیا انکل ...'' فرحت بولی۔

''وہ یہ کہ ہم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی تھیں ... وہ خفیہ فائل جو دشمن کے ہاتھ لگی اور جس سے انہیں یہ علم ہوا کہ پروفیسر داؤد

جانتے ہیں کہ اصل ایٹمی پلانٹ کہاں ہے ... وہ فائل دشمن کے جاسوسوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے رکھی گئی تھی ...''

''اوہ ... اوہ !!!'' ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''اس کا مطلب یہ کہ ایک عمارت دھنسا کر انہوں نے ہمیں ڈرا دیا کہ ہم ہر عمارت گرا سکتے ہیں اور ہم ان کے ڈرانے میں آ گئے جب کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے ... یہ انہوں نے نفسیاتی حربہ استعمال کیا۔'' پروفیسر داؤد نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''ہاں یہی بات ہے ... اور اطمینان کی بات یہ ہے کہ ہمارا اصل ایٹمی پلانٹ اور ایٹم بموں کا ذخیرہ بالکل محفوظ ہے ... انشارجہ اور شارجستان لاکھ سر مار لیں لیکن ان کے فرشتے بھی اصل ایٹمی پلانٹ تک نہیں پہنچ سکتے ...''

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے اور ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا بھی ... ان دونوں کی مسکراہٹوں میں اطمینان کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ...

اس لمحے انہوں نے بھی اپنی رگوں میں اطمینان دوڑتا محسوس کیا۔

☆☆☆☆☆